روح القدس

ازروئے قرآن وبائبل

THE HOLY SPIRIT IN KORAN & BIBLE

Rev.C.J.Mylrea & Sheiekh Iskander Abdul Mashi

علامہ سی جی ملر

شیخ اسکندر عبدالمسیح صاحبان

1924

The Holy Spirit In Qur’an & Bible

Rev. C. J. Mylrea & Sheikh Iskandar Abdul Mashi

By Kind Permission of the C.L.S

Approved by C.L.M.C

Examines the 20 references to the Spirit in Quran and shows how ideas, though borrowed, are misused and misunderstand; a final section leads from the” unknown” to the Holy Spirit of Christian faith and experience.

رُوح القُدّس

از روئے قرآن و بائبل

مصنف

علامہ پادری سی۔جے۔ملرو شیخ اسکندر عبدالمسیح صاحبان

کرسچن لٹریچر سوسائٹی کی اجازت سے

پنجاب رلیجس بک سوسائٹی۔انار کلی۔لاہور

۱۹۲۴

فہرستِ مضامین۔روح القدس ازروئے قرآن وبائبل
مضمون
دیباچہ
سورہ قرآن کی شان نزول کا تعلق اس مضمون سے
فصل اول۔روح القدس اور جبرائیل
فصل دوم۔روح القدس اورانسان
فصل سوم۔روح القدس اور الہام
فصل چہارم۔روح القدس اور عیسیٰ
فصل پنجم۔روح القدس کے بارے میں بائبل کی تعلیم

روح القدس ازروئے قرآن وبائبل

دیباچہ

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّن الْعِلْمِ إِلاَّ قَلِيلاً

تجھ سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو ان سے کہہ دے کہ روح میرے پروردگار کا ایک حکم ہے اور تم لوگوں کو صرف تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے۔

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۵)

جنہوں نے قرآن پڑھا ہے اُن کو یاد ہوگا کہ یہ سارے انسانوں کے لئے نور ہدایت ہونے کا مدّعی ہے۔اور نیز اس امر کا کہ جو علم آدمیوں کے لئے ضروری ہے وہ سب اس میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک آیت میں یہ لکھا ہے کہ "ہم نے اپنی کتابوں میں کسی بات کی کسر نہیں رکھی"۔اس لئے ایماندار بادی النظر (ابتدائی نظر میں) میں یہ ماننے لگ جاتا ہے کہ انسانی روح کی تشفی کے لئے جوکچھ درکار ہے وہ سب قرآن میں مندرج ہے۔تو بھی مسلم مفسرین نے حضرت محمد کے زمانے سے لے کر آج تک اس دعویٰ کو پرکھنے کی جُرات نہیں کی اور نہ اس امر کی تحقیق کی کوشش کی یا تو شاید اس خوف سے کہ کہیں یہ دعویٰ بے بنیاد نہ نکلے یا محض ناعاقبت اندیشی سے چونکہ اس مضمون کے متعلق وہ اسلامی قیاسات کے دائرے سے کبھی باہر قدم نہیں مارتے اس لئے پوری صداقت کی دریافت میں وہ کبھی ترقی نہیں کرتے۔

اب اس امر سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ قرآن میں بعض ایسے مضامین پائے جاتے ہیں جن کا بہت سرسری ذکر ہے اور جو سمجھ میں نہیں آتے۔

ان میں سے اکثروں کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ وہ مضامین دیگر چشموں سے لاپروائی کے ساتھ لے لئے گئے اور اس بات کا کچھ لحاظ نہ کیا گیا کہ اصلی مصنف کا حقیقی منشا کیا تھا اور نہ اُس کے مقصد کو ٹھیک طور سے سمجھا۔لائق سے لائق مفسرین کو ان متشابہ آیات کی تفسیر کرنے میں لاینحل مشکلات پیش آئیں کیونکہ وہ خود اُن دیگر عقائد کی اصطلاحات سے ناواقف تھے جن سے اُن کی تشریح ہوسکتی تھی۔ اُنہوں نے اسلامی ذرائع سے باہر اُن کے معنی دریافت کرنے کی کوشش نہ کی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت محمد نے ارادتاً ان مضامین کو اس لئے داخل کیا ہو کہ ان باتوں سے اُن پر گہرا اثر کیا گیا تھا۔ لیکن اُن کے حقیقی معنی خود اُن کو معلوم نہ تھے اور مفسرین نے بھی نادانستہ اس اصلی مشکل کو زیادہ بڑھا دیا۔

اس کی ایک مثال قرآن میں روح کا مسئلہ ہے۔ یہ لفظ تولا کلام اُن یہودیوں یا مسیحیوں سے لیا ہوگا جو عہدِ عتیق اور عہد جدید کے ذریعے سے اس لفظ سے آشنا تھے۔ لیکن اس کا مطلب سمجھے بغیر لفظ لے لیا گیا۔ بائبل میں تو اس مضمون کا بہت ذکر پایا جاتا ہے کیونکہ وہاں یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ لیکن قرآن نے جو ان سے بہت پیچھے تیار ہوا اس مسئلہ کو بہت مشکل اور مبہم بنا دیا۔ شائد ان الفاظ کو پڑھ کر مسلمان صاحبان تعجب کریں لیکن جب ہم اس مضمون کی پوری تشریح کردیں گے تو اس کا مطلب اُن کی سمجھ میں آجائے گا اور وہ اپنی رائے بدل ڈالیں گے۔ اس لئے ہماری اُن سے یہ درخواست ہے کہ جو ثبوت اس کتاب میں دئے گئے ہیں اُن پر توجہ کئے بغیر اس کو پھینک نہ دیں گے۔

اس لئے جو آیات روح کے بارے میں آئی ہیں ہم اُن کو نقل کریں گے اور مسلمان مفسرین نے جواُن کی تفسیریں کی ہیں وہ بھی مندرج کریں گے جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ حضرت محمد اور مفسرین قرآن اس کی ٹھیک تشریح نہ کر سکتے تھے۔اس امر سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اُن کے خیالات وتصورات میں کچھ پریشانی تھی۔ چونکہ خدا نے ہم کو بائبل میں روح کا صاف تصور دیا ہے اس لئے ہمارا یہ حق ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے اسی طرح مخاطب ہوں جیسے مقدس پولوس اہل اتھینے سے مخاطب ہوا تھا۔ ''اے اتھینے والو! میں دیکھتا ہوں کہ تم ہر بات میں دیوتاؤں کے بڑے ماننے والے ہو۔ چنانچہ میں نے سیر کرتے اور تمہارے معبودوں پر غور کرتے وقت ایک ایسی قربان گاہ بھی پائی جس پر لکھا تھا کہ نامعلوم خدا کے لئے۔ پس جس کو تم بغیر معلوم کئے پوجتے ہو۔ میں تم کو اُسی کی خبر دیتا ہوں'' (اعمال ۱۷: ۲۳)۔ اسی طرح ہم یہ کہیں گے کہ ''اے مسلمان صاحبان روح کا مسئلہ جسے تم نہ معلوم سمجھتے ہو عین وہی مسئلہ ہے جسے ہم آپ کو معلوم کرایا چاہتے ہیں''۔

قرآن کی تقریباً بیس آیتوں میں یہ لفظ روح آیا ہے اور ان میں سے ہر آیت کی تفسیر میں مفسرین کو حیرت کا منہ دیکھنا پڑا جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ اس مضمون کے متعلق ان ساری آیتوں میں اُنہوں نے کئی ایک مختلف تشریحیں پیش کی ہیں۔ اسی ایک امر سے ظاہر ہے کہ اصلی معنوں کے بارے میں وہ کس قدر شبہ میں تھے۔

ہم یہ کہنے کے تو ہرگز مجاز نہیں کہ حضرت محمد کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ روح کو مختلف معنوں میں استعمال کرتے۔ یا یہ کہ قرآن میں ایسا پایا نہیں جاتا۔ مسیحی مقدس نوشتوں میں لفظ روح ہمیشہ نہ تو انسانی روح کے لئے آیا ہے اور نہ روح القدس کے معنی ہیں۔ لیکن سیاق عبارت سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ وہاں اُس سے کیا مراد ہے۔

مگر قرآن کی تفسیروں میں اس امر کی کوشش نہیں کی گئی کہ اس کے معنی صاف کردئے جائیں اور پھر بتایا جائے کہ اُس قرینے (ترتیب) میں کون سے معنی ٹھیک چسپاں ہوں گے۔ خاص کر لفظ روح القدس کے استعمال کے بارے میں یہ قابل غور ہے۔ یہ تو بالکل عیاں ہے کہ یہ لفظ نئے عہد نامے سے لیا گیا تو بھی اس کا کچھ پتا نہیں لگتا کہ ''مخلوق روح'' سے یہ کوئی متفرق وجود تھا۔ اور نہ اس امر کا کہ اصلی عبارت میں یہ لفظ خود خدا کے لئے مستعمل تھا۔

اس کی ایک عمدہ مثال (سورہ بقرہ آیت ۸۱) جس کا یہ ترجمہ ہے ''اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے کھلے کھلے معجزے عطا فرمائے اور روح القدس سے اُن کی تائید کی''۔ تفسیر بیضاوی میں اس لفظ روح القدس کے چار مختلف معنی دئے ہیں۔

> ''(۱) فرشتہ جبرائیل (۲) جناب مسیح کی روح (۳) جناب مسیح کی انجیل (۴) وہ اسم اعظم جس کے وسیلے جناب مسیح مردوں کو جلایا کرتے تھے''۔

ناظرین بآسانی معلوم کرلیں گے کہ بیضاوی صاحب کو خود معلوم نہ تھا کہ اس کے ٹھیک معنی کیا ہیں اور اس کی یہ وجہ تھی کہ انہوں نے اسلامی چشموں کے باہر کسی دوسرے چشمے سے مدد نہ لی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے یہ حیرانگی حاصل ہوئی کہ اس آیت کے ٹھیک معنی کیا ہوں گے۔ آیا حضرت محمد کو اس لفظ "روح القدس" کے ٹھیک معنی معلوم تھے یا نہیں۔ البتہ اُن میں ایسا ایمان پایا جاتا ہے کہ اُن کو معلوم نہ تھے۔

اس آیت کی جو تفسیر الطبری نے کی وہ اور بھی حیرا افزا ہے (دیکھو جلد تیس صفحہ ۱۳)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بانی روح کی اہمیت کے بارے میں بتدریج زیادہ زیادہ آگاہ ہوتے گئے۔ لیکن اُنہوں نے یہ معلوم کیا کہ اس میں کوئی بیرون از قیاس سر تھا۔ اس لئے جب لوگوں نے اس کی نسبت سوال کیا تواُنہوں نے یہ جواب دیا کہ یہ "میرے پروردگار کا ایک حکم ہے"(سورہ بنی اسرائیل ۸۵)۔ ہم اب اسی سر کو کشف کرنا چاہتے ہیں۔

بیضاوی نے (سورہ الحجر آیت ۲۹ اور سورہ السجدہ آیت ۸) کی تفسیر کرتے وقت یہ ظاہر کردیا کہ خدائے قادر مطلق کی نسبت جو تعلیم اسلام میں پائی جاتی ہے اُس کو اس تعلیم سے تطبیق (مطابقت) دینا محال ہے کہ خدا کا کوئی رشتہ اُس کی مخلوق کے ساتھ ہو (نیز دیکھو رازی جلد پنجم صفحہ ۴۴۷)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیضاوی اور رازی اس مضمون کے متعلق مادی اور روحانی پہلوؤں کے درمیان امتیاز نہ کرسکے اور ایسے امتیاز کے بغیر ان دو باتوں کو تطبیق دینا محال تھا کہ خدا آدم کو زمین کی مٹی سے پیدا کرے اور اپنی روح اُس میں پھونکے۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ مسلمان مفسرین ان اسلامی تنگ آرائے کے حلقے سے جس قدر باہر نکل کر قدم مارتے ہیں اُسی قدر زیادہ وہ صداقت کے قریب آجاتے ہیں۔

مگر یہ تو عجیب بات ہے کہ بانئے اسلام کو خود یہ تحقیق معلوم نہ تھا کہ سیدنا عیسیٰ خود روح تھا یا اُسے روح کے ذریعے سے قوت دی گئی تھی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ تعجب ہے کہ قرآن کے مفسرین کو یہ پتا نہ لگا یا کہ آیا خود یہ روح مادی تھا یا روحانی۔

اس کے علاوہ یہ نہایت قابل غور وعیاں امر ہے کہ قرآن میں سیدنا عیسیٰ کا گہرا تعلق اس روح کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اس امر واحد ہی سے مسیح کا درجہ باقی سارے انبیا سے اعلیٰ ٹھہرتا ہے اور مسیح کی ذات کے بارے میں جو مسیحی تصور ہے اُس کے بہت قریب جا پہنچتے ہیں۔

سورتوں کی شان نزول کا تعلق اس مضمون سے

ہم یہ امر مسلمہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کی سورتوں کی ترتیب اُن کے نزول کے مطابق مقرر ہوچکی ہے۔ اس ترتیب کے ذریعہ ہم کو حضرت محمد کے تصورات وخیالات کے نشوونما پر غور کرنے میں مدد ملتی ہے اور خاص مضمون زیر بحث کے مطالعے میں وہ روح کا ذکر جن سورتوں میں ہوا ہے اُن کی ترتیب نزول کو ہم مفصلہ ذیل حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

(۱۔) وہ آیات جن میں لفظ روح کو عموماً فرشتوں سے منسوب کیا اور خاص کر جبرائیل سے۔

(۲۔) جن آیات میں روح کو خلقت سے اور خاص کر انسان سے منسوب کیا ہے۔

(۳۔) جن آیات میں روح کو عموماً الہام یا وحی سے منسوب کیا۔

(۴۔) جن آیات میں روح کو عموماً سیدنا مسیح سے منسوب کیا۔

سورہ	ترتیب (راڈویل صاحب)
سورہ القدر (۴)	۲۱
سورہ النبا (۳۸)	۳۷
سورہ المعارج (۴)	۴۷
سورہ الشعرا (۱۹۳)	۵۶

سورہ النحل(۱۰۵)	۷۳
۲۔ سورہ الحجر(۲۹)	۵۷
سورہ السجدہ(۸)	۷۰
سورہ السعد(۷۲)	۵۹
۳۔ سورہ النحل(۲)	۷۳
سورہ بنی اسرائیل(۸۷)	٦۷
سورہ المومن(۱۵)	۷۸
سورہ الشوریٰ(۵۲)	۸۳
سورہ المجادلہ(۲۲)	۱۰٦
۴۔ سورہ البقر(۸۱،۲۵۴)	۹۱
سورہ النساء(۱٦۸)	۱۰۰
سورہ المائدہ(۱۰۹)	۱۱۴
سورہ الانبیاء(۹۱)	٦۵
سورہ التحریم(۱۲)	۱۰۹

یہ بہت مفید ہے کہ ہم ان آیات کو ایسی ترتیب سے جمع کر سکتے ہیں اور جن حصوں میں ہم نے اُن کو تقسیم کیا ہے وہ اکثر علماء کی رائے کے مطابق سورتوں کی ترتیب نزول ہے۔ ان دونوں امور واقعی سے صاف طور پر ظاہر ہو گا کہ حسب وقت حضرت محمد کے دل میں اس مضمون نے کیسے نشو ونما حاصل کیا۔

اُنہوں نے اس مضمون کو زیادہ اہمیت دی لیکن وضاحت کے ساتھ نہیں۔ اس لئے وہ اپنے تابعین سے اگر زیادہ سے زیادہ کچھ کہہ سکتے تھے تو یہ کہہ سکتے تھے:

"وہ تجھ سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو کہہ دے کہ روح میرے پروردگار کا ایک حکم ہے۔ اور تم لوگوں کو بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے"(سورہ بنی اسرائیل ۸۵)۔

ہمارا منشا یہ ہے کہ ان چار حصوں کو ہم سلسلہ وار لیں اور اُس حصے کی جن آیات میں روح کا ذکر ہو اُن کو نقل کریں اور مفسروں نے جو تفسیریں اُن مقامات کی کی ہیں اُن کو پیش کریں۔ ہر حصے کے آخر میں ہم اپنی تشریح بھی درج کریں گے۔ اور پانچویں فصل میں ہم مسلمان احباب کی خاطر اس مضمون کے متعلق توریت اور انجیل کی تعلیم کا بیان کریں گے۔

فصل اوّل

روح اور جبرائیل

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ

(ترجمہ)اس رات ہر ایک انتظام کیلئے فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے اُترتے ہیں۔

(سورہ القدر ۴)

اس آیت کی تفسیر بیضاوی نے یوں کی ہے۔

''اس آیت میں اس امر کی تشریح ہے کہ شب قدر کو ایک ہزار مہینوں پر کیوں فوق دیا۔ اور کیوں فرشتے اور روح سب سے نچلے آسمان پر یا زمین پر اُترے تاکہ وہ ایمان داروں کے زیادہ قریب ہو جائیں''۔

جلالین نے اس روح کو جبرائیل فرشتہ سمجھا۔ اور اس تفسیر میں زمحشری کا بھی اُس سے اتفاق ہے کیونکہ اس نے لکھاہے کہ

''اس آیت میں روح سے جبرائیل یا فرشتوں کا گروہ مراد ہے جو عام فرشتوں کو سوائے شب قدر کے کبھی دکھائی نہیں دیتے''۔

الطبری نے یہ بیان کیا کہ

''مفسرین کو اس آیت کے ٹھیک معنی معلوم نہیں۔ اکثروں کی یہ رائے ہے کہ شب قدر کو جو روح فرشتوں کے ساتھ اُترتا ہے وہ جبرائیل ہے''۔

(دیکھو بیضاوی۔ جلالین جلد دوم صفحہ ۳۷۸۔ کشاف جلد دوم صفحہ ۵۵۵۔ طبری ۳۰۔ ۱۴۴)۔

یہ واضح ہو گیا کہ متاخرین مفسر اس آیت میں روح سے جبرائیل فرشتہ مراد لیتے ہیں غالباً اس وجہ سے کہ یہ تشریح سب سے آسان ہے اور ان کی مشکل کو حل کر دیتی ہے۔

(ب) يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا۔

ترجمہ۔ جب روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے کسی کے منہ سے بات تو نکلنے ہی کی نہیں مگر جس کو رحمان اجازت دے اور وہ بات بھی معقول کہے۔

(سورہ النبا ۳۸)

اس کی تفسیر میں بیضاوی یوں رقم طراز ہے۔

''الروح وہ فرشتہ ہے جس کے سپرد خدانے روحوں کا انتظام کیاہے۔اس سے مراد جبرائیل بھی ہو سکتا ہے یافرشتوں سے کوئی بزرگ تر وجود''۔

جلالین نے یہ بیان کیاکہ

''اس لفظ سے یہاں یاتو جبرائیل مراد ہے یاآسمانی لشکر''۔

زمحشری کی تفسیراس مقام میں تقریباًبیضاوی سے مشابہ ہے۔چنانچہ اُس نے یہ لکھاکہ

''الروح فرشتوں سے کوئی بزرگ تر اور معزز تر وجود ہے جو اُن سب سے زیادہ کا مقرب ہے۔یا کوئی ایسا بزرگ فرشتہ ہے جس سے بڑھ کر خدانے سوائے اپنے عرش کے اور کسی کو خلق نہیں کیا۔یااس سے کوئی ایسافرشتہ مراد نہیں جو خوراک کھاتاہو۔یااس سے خود جبرائیل مراد ہے''۔

نیشاپوری کا یہ بیان ہے۔

''الروح درجہ میں سب سے اعلیٰ مخلوق ہے اور لفظ صفاً مجموعی طور پر یہاں استعمال ہوااوراس لئے اس سے ایسادرجہ مراد ہو سکتاہے جس میں الروح اور فرشتے سب کے سب شامل ہوں''۔

الطبری نےاس آیت میں لفظ الروح کے مختلف معنی دئے ہیں۔وہ لکھتے ہیں

''بعض یہ مانتے ہیں کہ الروح سے اس آیت میں کوئی ایساوجود مراد ہے جو درجے میں فرشتوں سے بہت اعلیٰ وافضل تھا''۔

مسعود سے روایت ہے کہ الروح چوتھے آسمان میں ایک فرشتہ ہے جو آسمانی سارے لشکروں سے بزرگ تر ہے۔اور آسمان کے سارے پہاڑوں اور فرشتوں سے اعلیٰ ہے۔وہ ہر روز بارہ ہزار دفعہ خدا کی تسبیح کرتاہے اوراُس کے ہر کلمہ تسبیح میں سے خداایسے فرشتوں کو پیدا کرتاہے جو بڑھتے بڑھتے فرشتوں کی صف بن جاتاہے۔(اس مشکل کو حل کرنے کی یہی ایک فلسفانہ کوشش ہے)۔

ابن عباس سے روایت ہے ''خلقت میں الروح سارے فرشتوں سے اعلیٰ اور افضل ہے''اور بعض یہ کہتے ہیں''وہ جبرائیل ہے''اور الضحاک کا بیان ہے ''الروح جبرائیل ہے''،الشعبی نے بھی اسی قسم کی روایت کی ہے۔بعض یہ کہتے ہیں ''خدا کی خلقت کا یہ مخلوق انسانی صورت میں ہے''۔مجاہد نے یہ بھی بیان کیاکہ ''روحیں انسانی صورت کی مخلوق ہیں۔وہ کھاتی اور پیتی ہیں۔اُن کے ہاتھ پاؤں اور سر بھی ہیں۔وہ خوراک کھاتی ہیں اس لئے وہ فرشتے نہیں''ابن خلدون نے یہ کہا''روحیں انسانوں سے مشابہ ہیں۔لیکن وہ انسان نہیں''بعضوں کی یہ رائے ہے۔''روحیں آدمی ہیں''سعید ابن قتادیٰ نے لکھاہے ''جس دن روحیں کھڑی ہوں گی۔یعنی بنی انسان''اورامام حسن برادر امام حسین سے روایت ہے اور سعید ابن قتادیٰ نے اس کا ذکر کیاہے کہ ابن عباس نے یہ روایت چھپالی روایت ہے کہ ابن عباس نے بھی یہ کہا''جس دن روحیں کھڑی ہوں گی''یعنی جس روز آدمیوں کی روحیں فرشتوں کے ساتھ اُس عرصے میں کھڑی ہوں گی جو روحوں کے بدنوں کے ساتھ کھڑے ہونے سے پیشتر دوصوروں کے پھونکے جانے کے مابین ہوگا''۔بعضوں کی یہ رائے ہے کہ ''الروح قرآن ہے''۔

پھراس نے اپنی تشریح پیش کی اور یہ کہا! ''الروح خدا کی مخلوقات میں سے ایک ہے اور مذکورہ بالا بیانات میں سے کوئی ایک مراد لی جاسکتی ہے''۔ (دیکھو بیضاوی جلد دوم صفحہ ۳۵۷ کشاف جلد دوم صفحہ ۵۲۰۔ نیشاپوری سیم جلد صفحہ ۲۔ طبری کے حاشیہ کو اور طبری جلد سیم صفحہ ۱۳، ۱۴ کو)۔

(ج۔) تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ

فرشتے اور روح اُس کی طرف چڑھتے ہیں

(سورہ المعارج آیت ۴)

بیضاوی نے اس آیت کی یہ تفسیر کی

''روح سے یہاں جبرائیل مراد ہے۔اس کا ذکر علیحدہ اس لئے ہوا کیونکہ وہ دیگر فرشتوں پر فوق رکھتا تھا''۔

ممکن ہے کہ اس لفظ سے ایسا مخلوق مراد ہو جو فرشتوں سے اعلیٰ واشرف ہو۔

جلالین نے بھی الروح سے یہاں جبرائیل ہی مراد لی اور الکشاف نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے یہ ایزاد (اضافہ) کیا

''جبرائیل کا ذکر الگ اس لئے کیا گیا کیونکہ وہ اپنی عظمت میں خاص طور سے ممتاز تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں الروح سے فرشتوں کا موکل مراد ہے۔ جیسے فرشتے آدمیوں کے موکل ہیں ویسے الروح فرشتوں کا موکل ہے''۔

الطبری نے صاف طور سے یہ کہہ دیا کہ اس آیت میں الروح سے جبرائیل مراد ہے۔ نیشاپوری نے یہ رقم کیا کہ ''الروح سے اعلیٰ درجے کا فرشتہ مراد ہے۔ خدا کے نور کی شعاع پہلے اُس کو پہنچتی ہے پھر وہاں سے وہ ادنیٰ درجے کے فرشتوں میں تقسیم ہوتی ہے انسان ''روحوں کی سیڑھی'' کے نیچے کے زینے پر ہیں۔ اس سیڑھی کی چوٹی اور زیرین زینوں کے مابین دیگر زینے یا فرشتوں کی روحوں اور آسمانی لشکروں کے مختلف درجے ہیں جو صرف خدا ہی کو معلوم ہیں" (دیکھو بیضاوی۔ جلالین جلد دوم صفحہ ۳۳۶۔ کشاف جلد دوم صفحہ ۴۳۸۔ نیشاپوری۔ طبری کے حاشئے میں جلد ۲۹۔ صفحہ ۴۲۔ اور طبری جلد ۲۹۔ صفحہ ۳۹)۔

(د) ''کچھ شک نہیں کہ یہ پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے اس کو روح الامین نے سلیس عربی زبان میں تمہارے دل پر القا کیا''

(سورہ الشعرا آیت ۱۹۲۔ ۱۹۳)۔

اس آیت کی تفسیر بیضاوی نے یہ کی

''روح الامین جبرائیل فرشتہ ہے کیونکہ وحی دینے کے لئے یہی امین فرشتہ ہے''۔

جلالین نے صرف اتنا لکھا ہے

''روح الامین جبرائیل ہے''

کشاف میں اس لفظ کے حقیقی معنی پر کوئی تفسیر نہیں" (دیکھو بیضاوی جلالین جلد دوم صفحہ ۱۱۲۔ کشاف جلد دوم صفحہ ۱۳۴)۔

(ہ) ''حق تو یہ ہے کہ اس کو تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس لے کر آئے ہیں''۔

بیضاوی نے اس آیت کی نسبت یہ لکھا کہ

''روح القدس جبرائیل ہے۔ اور وہ قدس یعنی پاک کہلایا''۔

جلالین اور کشاف دونوں میں یہ جبرائیل بیان ہوا۔

بیضاوی اور جلالین کا پھر اس امر میں اتفاق ہے کہ لفظ روح سے جبرائیل مراد ہے۔ کشاف نے روح القدس کی صرفی ترکیب کا ذکر کیا (بیضاوی جلد اول صفحہ ۳ جلالین اور کشاف جلد اول صفحہ ۵۳۷)۔

اس آیت میں پہلی دفعہ یہ نام روح القدس آیا ہے جو بائبل مقدس کا خاص محاورہ ہے۔ مفسروں نے اس نام میں کوئی خصوصیت نہیں دیکھی۔ بیضاوی نے صرف اتنا کہا کہ لفظ قدس کے بڑھانے سے اُسکی پاکیزگی کو ظاہر کیا۔اس نام کے ٹھیک معنی یہ ہیں۔ ''قدوسیت کا روح'' جس کی نسبت کشاف نے بیان کیا کہ اس زور کے باعث یہ نام روح القدس ہو گیا۔

فصل اوّل پر چند خیال

مذکورہ بالا تفاسیر سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ متاخرین مفسر بیضاوی جلالین اور کشاف کا اتفاق رائے اس پر ہے کہ الروح سے جبرائیل مراد ہے۔ غالباً اس وجہ سے اُنہوں نے یہ معنی پسند کئے کیونکہ اس سے وہ بہت تکلیف اور بحث سے بچ جاتے ہیں۔ مگر طبری نے اس سے کچھ زیادہ تفسیر کی۔ اور اُس نے ایک معنی کے بجائے کئی ایک معنی بتائے ہیں اور اُس نے اپنے دستور کے موافق ہر معنی کی تائید میں کسی نہ کسی حدیث کو پیش کیا ہے اور حضرت محمد کے صحابہ اور اُن کے بیٹوں کے اقوال سے اقتباسات دئے ہیں۔ اس امر کا یہ قطعی ثبوت ہے کہ حضرت محمد اور اُن کے اصحاب کو لفظ ''الروح'' کے ٹھیک معنی معلوم نہ تھے۔ اور یہ صداقت کے خلاف نہ ہو گا۔ اگر ہم یہ کہیں کہ اُن کے غور و فکر کی غایت صرف یہاں تک ہی پہنچی کہ الروح ایک الگ ہستی تھی جو درجے میں سارے فرشتوں سے اشرف و اعلیٰ تھی۔ اور ایسی مخلوق تھی جو خدا کے مکاشفے کو آدمیوں تک پہنچادے۔ مذکورہ بالا آیات میں الروح کو جو ذکر آیا اُس کی نسبت مفسروں کو یہ کہنا زیادہ آسان معلوم ہوا کہ اُس سے جبرائیل مراد لیں یا کوئی دوسرا فرشتہ۔ لیکن خواہ وہ کچھ ہی کہیں یہ امر تو چھپ نہیں سکتا کہ اُن کی تشریحیں نہ صرف ناقص ہیں بلکہ بحیثیت مجموعی باطل ہیں۔ اُن کی یہ مشکل اور بھی بڑھ جاتی اور یہ مسئلہ اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم مسلمان صاحبان سے یہ درخواست کرتے ہیں اور یہ جائز درخواست ہے کہ وہ ہمیں اس لفظ الروح کی ٹھیک تشریح بتائیں کہ کن مختلف معنوں میں یہ لفظ قرآن میں مستعمل ہوا ہے۔ اور جب تک اس امر میں وہ ہماری تشفی نہ کریں تب تک ہم یہی مانیں گے کہ نہ تو حضرت محمد کو الروح کے معنی معلوم تھے نہ اُن کے پیروؤں کو''۔

فصل دوم

روح اور انسان

(۱۔) فَاِذَا سَوَّيۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِيۡنَ

"جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اُس میں اپنی روح پھونک دوں"

(سورہ الحجر ۲۹)۔

اس آیت کی تفسیر بیضاوی میں یوں آئی ہے۔

"میں نے اپنی روح اُس میں پھونک دی حتیٰ کہ وہ اُس کے بدن کے اعضا میں سرایت کر گئی اور وہ زندہ ہو گیا۔ چونکہ روح کا حصر (احاطہ) اپنی ہستی کے لئے ہوئی بخار پر ہے جو دل سے نکلتا ہے اور زندہ طاقت حاصل کرنے کے بعد اعصاب میں سرایت کر جاتا ہے خدا نے اس کا تعلق بدن کے ساتھ سانس کے وسیلے سے قائم کر دیا"۔

جلالین میں یہ تفسیر پائی جاتی ہے۔

"اُس میں اپنی روح پھونک دوں" کے یہ معنی ہیں کہ "میں ایسا کروں گا کہ میری روح آدمی کے بدن میں سرایت کر جائے تاکہ وہ زندہ مخلوق ہو جائے۔ رُوح کے ساتھ اُس کا تعلق آدم کے لئے عزت کا باعث تھا"۔

کشاف میں اس سے مختلف تشریح ملتی ہے۔ چنانچہ وہاں لکھا ہے۔

"فی الحقیقت کوئی سانس پھونکنا نہ تھا اور نہ کوئی شے کسی میں پھونکی گئی یہ سارا جملہ ایک طرح کا استعارہ ہے جس میں بیان کیا گیا کہ انسان میں زندگی کس طرح پیدا ہوئی"

(بیضاوی۔ جلالین جلد اول صفحہ ۳۷۶۔ اور کشاف جلد اول صفحہ ۵۱۵)۔

(۲۔) ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ وَ جَعَلَ لَـكُمُ

اور اُس میں اپنی روح پھونکی

(سورہ السجدہ ۹)۔

بیضاوی کہتا ہے۔

"اُس نے اُس کو اپنے ساتھ رشتہ دیا اور بطور عزت و امتیاز کے۔ ایسا کرنے سے خدا نے یہ ظاہر کر دیا کہ انسان ایک عجیب مخلوق تھا اور کسی نہ کسی طرح خدائے تعالیٰ کے ساتھ اُس کا رشتہ تھا۔ جو اپنے تئیں جانتا ہے وہ اپنے خداوند کو جانتا ہے"۔

جلالین نے یہ تحریر کیا!

"اس آیت سے یہ ظاہر ہے کہ انسان محض ایک بے نظام مادہ تھا۔ لیکن خدا نے اُسے زندگی عطا کی اور اُسے ذی فہم اور ذی عقل بنادیا"۔

کشاف نے یہ بیان کیا

"روح کا الٰہی ذات کے ساتھ رشتہ ہونے کے ذریعہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان ایک عجیب مخلوق ہے جس کے وجود کو خدا کے سوائے کوئی ادراک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ لکھاہے کہ وہ تجھ سے روح کے بارے میں سوال کریں گے تو کہہ دے کہ روح میرے خداوند کی بات ہے"۔

(بیضاوی جلالین جلد دوم۔ صفحہ ۱۵۷۔ کشاف جلد دوم صفحہ ۴۱۹)۔

(۳۔) فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِيْ

"جب میں اُس کو پورا کرلوں اور اپنی روح اُس میں پھونک دوں"

(سورہ ص ۷۲)

اس آیت پر بیضاوی نے یہ لکھا

"اُس سے مراد یہ ہے کہ میں اُس میں روح پھونک کر اُس میں زندگی ڈال دوں گا۔۔۔ وغیرہ اس جملے "اپنی روح" سے آدمی کا معزز درجہ اور پاکیزگی ظاہر کی گئی"۔

جلالین میں یہ تفسیر آئی ہے

"اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ جب میں اپنی روح کو بھیجوں گا کہ اُس میں سرایت کر جائے تاکہ وہ زندہ ہو جائے۔ یہ امر کہ یہ روح خدا کا روح ہے۔ آدم کے لئے عزت و فخر ہے۔ روح تو ایک لطیف مادہ ہے جس کے ذریعہ سے آدمی زندہ رہتا ہے"۔

کشاف نے یہ رقم کیا کہ ان الفاظ سے کہ

"میں نے اپنی روح اُس میں پھونک دی" یہ مراد ہے کہ "آدمی میں اُس نے زندگی ڈالی اور اُسے صاحب احساس متنفس مخلوق بنادیا"

(بیضاوی جلالین جلد دوم صفحہ ۲۱۱۔ کشاف جلد دوم صفحہ ۲۸۹)۔

فصل دوم پر چند خیالات

یہ جملہ آیات خاص کر قابل لحاظ ہیں اور ان سے لفظ الروح کے دوسرے معنی میں استعمال کا پتا لگتاہے۔ ان جملوں کے عین الفاظ ہی بلاشک یہ ثابت ہوتاہے کہ وہ بائبل سے لئے گئے ہیں، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ قرآن سے صدیوں پیشتر مروج تھے۔ لیکن جیسے پہلی قسم کی آیات میں روح القدس کو بلا سمجھے استعمال کیا ویسے ہی ان آیات میں لفظ روح کے معنی سمجھے بغیر اُس کو استعمال کیا اور انسان کی خلقت کے ساتھ روح کا جو تعلق تھا اُس کی

جو تشریحیں ان تفاسیر میں پائی جاتی ہیں اُن سے یہ صاف ظاہر ہے کہ خدا کے ساتھ انسان کے روحانی رشتے کے متعلق گہری صداقت تھی اُسے بھی اُنہوں نے نہیں سمجھا۔ بائبل میں یہ لکھا ہے کہ "خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اُس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا سو آدم جیتی جان ہوا" (پیدائش ۲: ۷)۔ اور پھر (یوحنا ۳: ۶) میں آیا ہے "جو جسم سے پیدا ہوا ہے جسم ہے اور جو روح سے پیدا ہوا ہے روح ہے" مادی اور روحانی دونوں کا صاف خیال حضرت محمد کے دل میں پایا نہیں جاتا۔ نفس اور روح کے درمیان جو امتیاز (فرق) ہے اُس کا یا تو خیال ہی نہیں گزرا اور یا اُس کو نظر انداز کردیا۔ جس سے انسان کی مرکب ذات کا ادراک ناممکن ہوگیا۔

ان آیات کی تشریح کرتے وقت مفسروں نے جبرائیل کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ لا کلام یہاں روح سے نہ جبرائیل مراد ہوسکتی تھی نہ کوئی دوسرا فرشتہ۔ پھر اس لفظ سے کیا مراد ہوگی؟ اور کیوں خدا نے اسے اپنی روح کہتا ہے؟ یہ آخری سوال مشکل سوال ہے کیوں خدا نے اس خاص طریقے سے روح کو اپنے سے منسوب کیا؟ اس کے جو جواب دیئے گئے وہ نہایت کمزور اور ناتسلی بخش ہیں۔ اُن میں تو صرف طبعی اور مادی سانس ہی کا ذکر ہے گویا خدا کو یہ ضرورت پڑی کہ اس معاملے میں اس خاص طور سے اس کو اپنا کہے!

یہ قابل لحاظ ہے کہ بیضاوی کا علم طبعیات کے بارہ میں ویسا ہی ہے جیسا کہ روحانی صداقتوں کے بارے میں۔ وہ بیان کرتا ہے کہ روح ایک لطیف بخار ہے جو آدمی کے اعصاب میں خون کی طرح ساری ہے اور اسی وجہ سے آدمی جیتا رہتا ہے۔ اگر اُس کا یہ بیان صحیح ہوتا تو ہم یہ بھی ماننے پر تیار ہوتے کہ خدا نے اپنا روح حیوانات اور نباتات میں بھی پھونکا کیونکہ وہ بھی زندہ رہتے ہیں۔

یہ حیرت انگیز سوالات ہیں۔ جیسے دنیا میں ایک قفل حیرت انگیز شے ہے۔ جب غلط کنجیوں سے اُس کو کھولنے کی کوشش کی جائے۔ اگرچہ کنجیوں کا بڑا گچھا بھی استعمال میں لائیں۔ لیکن درست کنجی سے اس کو کھولو تو وہ آسانی سے کھل جائے گا۔ "اب اس زیر بحث سوال میں جو کلید روح کے مسئلے کے متعلق مسیحی پیش کرتے ہیں۔ وہ صحیح کلید ہے"۔

لیکن ہم خاص طور سے ناظرین کی توجہ بیضاوی کے ان قابل لحاظ الفاظ کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں کہ خدا نے اپنا روح انسان میں پھونکنے سے اُس کو اپنے ساتھ رشتہ دیا اور اس طرح سے ظاہر کردیا کہ وہ خلقت کا سرتاج تھا اور خدا تعالیٰ سے خاص رشتہ رکھتا تھا۔ پس جو کوئی اپنے آپ کو جان لیتا ہے وہ اپنے رب کو جان لیتا ہے۔ شائد یہ لفظ کسی صوفی نے لکھے ہوں۔ پھر بھی سنی مفسروں کے خیالات کے لحاظ سے وہ کچھ قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں اور مسیحیت کی طرف دور تک لے جاتے ہیں۔ کیونکہ مسیحیت کی یہ تعلیم ہے کہ خدا نے انسان کو اپنی صورت پر خلق کیا اور یہی وہ رشتہ تھا جس کی طرف بیضاوی نے اشارہ کیا تھا) اور کہ خدا انسان کے دل میں سکونت کرسکتا تھا۔ اور کہ انسان کا خدا کے ساتھ ایک ایسا گہرا رشتہ تھا کہ خدا کے ازلی کلام نے جو فی الذات خدا ہے آدمی میں بسنے اور جسم انسانی کو قبول کرنے سے نفرت نہ کی۔ پس جب بیضاوی نے مذکورہ بالا تفسیر کی تو اُس نے ایسے الفاظ استعمال کئے جو اُس کے علم کی رسائی سے بھی پرے تھے۔

فصل سوم

روح اور الہام

(۱۔) يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ

وہی اپنے حکم سے فرشتوں کو بالروح (وحی دے کر) اپنے بندوں میں سے جس طرف چاہتا ہے بھیجتا ہے۔ الخ

(سورہ النحل آیت ۲)

اس پر بیضاوی نے یہ لکھا

"روح سے یہ یہاں مراد مکاشفہ یا قرآن ہے جس کے وسیلے سے مرُدہ روحیں جہالت کی حالت سے بیدار کی جاتی ہیں یا دین سے اُس کو وہی نسبت ہے جو روح کو بدن سے ہے"

(بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۸۱۔ کشاف جلد اول صفحہ ۵۲۱)۔

جلالین میں یہ آیا ہے

"جو فرشتوں کو بھیجتا ہے وہ جبرائیل ہے اور روح الہام یا مکاشفہ ہے"۔

الکشاف میں یوں مندرج ہیں

"یہاں روح وہ ہے جو مکاشفہ کے ذریعے مردہ دلوں کو جلاتی ہے اور دین کے ساتھ اُس کا وہی تعلق ہے جو روح کا بدن کے ساتھ ہے"۔

(۲۔) وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

وہ تجھ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ روح میرے پروردگار کا ایک حکم ہے۔

(سورہ بنی اسرائیل ۸۵)

بیضاوی نے اس کی یہ تفسیر کی

"وہ تجھ سے روح کے بارے میں پوچھیں گے جس کے وسیلے آدمی جیتے اور اپنے مقاصد پورے کرتے ہیں تو کہہ کہ روح میرے پروردگار کا ایک حکم ہے یعنی یہ کہ وہ اس ابتدائی ذات سے مخلوق ہوئی جو اس حکم کنُ کے ذریعے سے ہست ہو گئی تھی۔ یہ ذات مادہ کے غیر تھی۔ اور نہ اس کا کوئی مادہ چشمہ تھا جیسے کہ بدن کے اعضا کا ہوتا ہے۔ پس سوال یہ رہا کہ آیا یہ ازلی ہے یا مخلوق (نہ کہ اس کی حقیقت کیا ہے) کیونکہ بعضوں کی یہ رائے ہے کہ یہ اُن امور میں سے ہے جن کا علم خدا نے صرف اپنے لیے ہی محفوظ رکھا ہے۔ یہودیوں نے اہل قریش کو یہ پٹی پڑھائی کہ وہ حضرت

محمد سے تین سوال پوچھیں ۔ ایک اصحاب کہف کے بارے میں۔ایک سکندر اعظم ذوالقرنین کے متعلق اور ایک روح کے بارے میں۔ اگر اُنہوں نے ان سوالوں کا جواب دے دیا یااُن میں سے کسی کا بھی جواب نہ دیا تو وہ محض نبی نہ ٹھہرے گا (کیونکہ وہ تو اس امر کا مدعی ہوگیا کہ اُسے اُن سب امورات کا علم حاصل ہے جو خدا ہی سے مخصوص ہے)۔ اگر اُس نے پہلے دو سوالوں کا جواب دے دیا اور تیسرے کے بارے میں خاموش رہا تب وہ نبی ٹھہرے گا۔اس لئے ان سے دو قصے بیان کردیئے اور روح کے بارے میں کوئی واضح جواب نہ دیا۔ اور یہ توریت میں بھی واضح طور سے بیان نہیں ہوا۔ بعضوں کی رائے ہے کہ یہاں روح سے مراد جبرائیل ہے یا فرشتوں سے کوئی اشرف مخلوق۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس سے قرآن مراد ہے اور اس جملے ''میرے پروردگار کا ایک حکم'' سے الہام مراد ہے''۔

جلالین میں یہ بیان ہے

''وہ یعنی یہودی تجھ سے روح کے بارے میں پوچھیں گے جس کے ذریعے سے کہ بدن زندہ رہتا ہے۔ تو تونے اُن کو یہ جواب دینا ''روح وہ شے ہے جو میرے پروردگار سے صادر ہوتی ہے۔ یعنی اُس کے عرفان سے اور یہ تم کو حاصل نہیں اور تم کو تو صرف تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے بمقابلہ خداتعالیٰ کے علم کے''۔

الکشاف میں یہ لکھا ہے

''ظن (گمان، بہتان) غالب یہ ہے کہ روح سے وہ شے مراد ہے جو حیوانات میں پائی جاتی ہے۔ جس کی حقیقت کے بارے میں اُنہوں نے اُس سے سوال کیا اور اُس نے اُنہیں یہ جواب دیا کہ یہ معاملہ خدا سے علاقہ رکھتا ہے۔اس کا علم صرف خدا ہی کو حاصل ہے اور ابن ابو بریدہ سے روایت ہے "کہ حضرت بنی نے وفات پائی اور اُن کو یہ علم حاصل نہ ہوا کہ روح کیا ہے" بعض عالم یہ بھی کہتے ہیں کہ روح ایک مقتدر روحانی مخلوق ہے جو فرشتوں سے اشرف ہے۔ بعض اُس سے جبرائیل مراد لیتے ہیں اور بعض قرآن اس جملے ''میرے پروردگار کا ایک حکم'' سے اُس کا (خدا کا) مکاشفہ مراد ہے اور اس کی زبان آدمیوں کی زبان نہیں''۔

یہودیوں نے قریش کو یہ ترغیب دی کہ تین سوالوں کے ذریعے وہ حضرت محمد کا امتحان لیں۔ اصحاب کہف، اسکندر اعظم اور روح کے بارے میں ۔ اگر حضرت محمد نے تینوں سوالوں کا جواب دے دیا یااُن کا جواب دینے سے انکار کردیا وہ نبی نہ ٹھہریں گے لیکن اگر اُنہوں نے پہلے دو سوالوں کا جواب دے دیا اور تیسرے کے بارے میں وہ خاموش رہے تو وہ فی الحقیقت نبی ٹھہریں گے۔اس لئے حضرت محمد نے صرف پہلے دو سوالوں کا جواب دے دیا اور تیسرے کو موہوم (فرضی، قیاسی) سا ہی رہنے دیا جیسا کہ بائبل میں تھا۔اس سے قریش کو افسوس ہوا کہ انہوں نے یہ سوال کیوں پوچھے۔

اب ہم اس آیت پر رازی کی تفسیر سے اقتباس کریں گے۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں۔ اوّل۔ مفسروں نے اس آیت میں لفظ روح کی کئی تشریحیں کی ہیں۔اُن میں سے سب سے صحیح یہ ہے کہ ''جس کے ذریعے سے زندگی بحال رہتی ہے'' کہتے ہیں کہ یہودیوں نے اہل قریش کو ترغیب دی کہ تین سوالوں کے ذریعے حضرت محمد کا امتحان

کریں۔ اگروہ ان میں سے دو کا جواب دیں اور تیسرے کے بارے میں خاموش رہیں تو تو وہ فی الحقیقت نبی ہوں گے وہ تین سوال یہی تھے۔ اصحاب کہف، اسکندر اعظم اور روح کی بابت پس جب اہل قریش نے حضرت محمد سے یہ سوال پوچھے تواُنہوں نے یہ کہا کہ "میں کل جواب دوں گا" لیکن اُنہوں نے "انشاءاللہ" نہ کہا تھا۔ اس لئے چالیس دن تک اُن پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی۔ اور اس کے بعد جب وحی آئی تواُنہوں نے اصحاب کہف اور اسکندر اعظم کا قصہ بیان کیا لیکن روح کا مضمون مبہم سا چھوڑا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی "وہ تجھ سے روح کی حقیقت کے بارے میں پوچھیں گے" وغیرہ یوں اُنہوں نے ظاہر کیا کہ انسانی عقل کیسی محدود تھی اور اس کی ادراک کی رسائی سے پرے تھا کہ روح کیا ہے۔ خدا نے یہ خوب کہا کہ ہم کو صرف تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے"۔

علماء جرح نے اس آیت پر کئی ایک جرح کی ہیں۔

اوّل۔ یہ کہ الروح عزت وعظمت میں خدا سے بزرگ تر نہیں۔ خواہ اُس کی عظمت کیسی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ اسی وجہ سے خدا کا علم نہ صرف ممکن ہو گیا بلکہ تحصیل کے قابل۔ پھر الروح کا علم حاصل کرنے میں کون سی شے مانع ہوئی؟

دوم۔ یہودیوں کا یہ نتیجہ نکالنا کہ اگر وہ اصحاب کہف یا اسکندر اعظم کے بارے میں جواب دیں گے تو وہ نبی ہوں گے؟ منطقی نتیجہ نہیں کیونکہ یہ قصے تو محض تاریخی واقعات ہیں اور ایسے واقعات کا علم کسی نبیانہ قوت کا ثبوت نہیں۔ پھر برعکس اس کے جو قصہ انہوں نے بیان کیا اگر اُس کا وقوع حضرت محمد کے نبی تسلیم کئے جانے سے پیشتر ہوا تھا تو سائل اُسے جھوٹا سمجھتے۔ (یعنی ایسے قصوں کا علم نبیانہ طاقت کے ثبوت کے لئے پیش کرنے سے) اور اگر ان کے نبی تسلیم کئے جانے کے بعد اُن وقوع ہوا تو تحصیل ما حصل کے لحاظ سے ایسے قصے کا بیان کرنا فضول تھا۔ برعکس اس کے الروح کے بارے میں ان کا جواب نہ دینا دعویٰ نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش نہیں ہو سکتا۔

سوم۔ روح کا مسئلہ ادنیٰ سے ادنیٰ فلاسفر اور چھوٹے سے چھوٹے عالمان الٰہیات کو معلوم ہے اس لئے اگر حضرت محمد کہتے ہیں کہ میں اسے نہیں جانتا تو لوگ حقارت اور نفرت کی نگاہ سے اُن کو دیکھنے لگ جاتے۔ کیونکہ اس قسم کے مسئلہ کی نسبت لاعلمی خواہ کسی شخص کو ہو لوگوں کی نظر حقارت سے بچا نہیں سکتی۔ کجا ایک نبی کو جو فاضلوں کا فاضل اور اعلیٰ سے اعلیٰ سمجھا جاتا ہو۔

چہارم۔ خدا نے اپنی کتاب میں فرمایا کہ "رحمت کے خدا نے تجھے قرآن سکھایا" (سورہ رحمن ۱)۔ "تجھ کو ایسی باتیں سکھا دی ہیں جو تجھ کو معلوم نہ تھیں۔ اور تجھ پر اللہ کا بڑا فضل ہے" (سورہ النساء ۱۱۳)۔ "اے میرے رب میرا علم بڑھا" (سورہ طہ آیت ۱۱۳)۔ زمین کے اندھیروں میں جو دانہ ہو اور تر و خشک کتاب واضح میں ہیں (سورہ انعام ۵۹)۔ اور حضرت محمد یہ دعا کیا کرتے تھے۔ پھر یہ کیسے ٹھیک ہوتا کہ جس شخص کی ایسی حالت ہو اور جس کی یہ صفات ہوں وہ یہ کہے کہ "مجھے اس کا علم نہیں" جب کہ یہ سوالات سبھوں کو معلوم تھے؟

بعد ازاں رازی نے ان دلائل کی تردید کی۔ وہ لکھتا ہے

"ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ روح کے بارے میں لوگوں نے حضرت محمد سے سوال کیا ہو۔ لیکن یہ کہیں گے کہ اُنہوں نے ان سوالوں کا جو بہتر سے بہتر جواب ہو سکتا تھا وہی دیا۔ روح کی نسبت اس سوال کو مختلف پہلوؤں سے سوچ سکتے ہیں۔

اوّل۔ کیا روح مکان گھیرتی ہے؟ کیا یہ مکان میں محدود ہیں؟ کیا مکان گھیرے بغیر یہ وجود رکھ سکتی ہے یا مکان میں غیر محدود ہے؟

دوم۔ کیا یہ ازلی ہے یا مخلوق؟

سوم۔ کیا موت کے بعد روحیں زندہ رہتی ہیں یا نیست ہو جاتی ہیں؟

چہارم۔ روحوں کے ثواب وعذاب کی حقیقی حالت کیا ہے؟ الغرض روح کے بارے میں جو سوال پیدا ہوتے ہیں وہ بکثرت ہیں۔ لیکن اس جملے میں کہ "وہ روح کے بارے میں تجھ سے پوچھیں گے" کچھ پایا نہیں جاتا کہ اُنہوں نے سارے سوال پوچھے۔ کیونکہ خدا نے جو جواب دیا" تو کہہ دے کہ روح تیرے رب کا امر ہے" وہ مذکورہ بالا سوالات میں سے صرف دو پر عائد ہو سکتا ہے یعنی روح کی حقیقی ذات اور اُس کی ازلی یا مخلوق ذات پر۔

ان امور میں سے پہلے کی نسبت اُنہوں نے کہا" روح کی حقیقی ذات کیا ہے؟ کیا انسانی بدن کے اندر یہ کوئی مادی شے ہے جو عناصر کی ترکیب سے بنی ہو یا بذاتِ خود مخلوط مرکب شے ہے یا یہ کوئی دیگر منظر ہے جو اس مرکب سے علاقہ رکھتا ہے۔ یا یہ منظر ان صورتوں اور حوادث سے بالکل مختلف ہے" ان کا جواب خدا نے یہ دیا ہے کہ روح ان بدنوں اور حوادث سے ایک مختلف مخلوق ہے کیونکہ یہ بدن اور حوادث تو بعض عناصر کی ترکیب و اختلاط (میل جول) کا نتیجہ ہیں، لیکن روح کا یہ حال نہیں۔ وہ تو شے مفرد اور مطلق ذات ہے جو محض خالق کے اس حکم **کنُ فیکن** سے وجود میں آگئی۔

اُس دوسرے سوال کا جواب کہ روح دیگر مادی اجرام اور مناظر سے مختلف ہے خدا نے یہ دیا کہ خدا کے حکم سے ایک خاص مخلوق کے طور پر اس کی ہستی ہے اور کہ اس کی خلقت اور تاثیر ان مادی اجرام کے فائدے کے لئے ہے تاکہ اُن کو زندگی دے۔ اور یہ امر کہ آدمیوں کو اس کی حقیقی اور خاص سیرت کا علم نہ تھا اس کے انکار کی دلیل نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا میں اکثر اشیاء کی حقیقت ہم کو معلوم نہیں مثلاً ہم کو یہ علم ہے کہ سکنجبین کی تاثیر یہ ہے کہ صفرا (پت، اغلاط اربعہ میں سے ایک زرد رنگ کا کڑوا مادہ) کو دور کرے لیکن اس کی اس صفت وخاص تاثیر کی حقیقت ہم کو معلوم نہیں۔ اس سے صاف واضح ہے کہ بہت ایسی اشیا ہیں جن کی اصلیت اور حقیقی سیرت کا علم ہم کو حاصل نہیں لیکن اس بنا پر اُن کے وجود کا انکار ہم نہیں کر سکتے۔ یہی حال روح کا ہے اور اس آیت کے یہی معنی ہیں "لیکن اُس کا تھوڑا علم تمہیں دیا گیا ہے"۔

دوم۔ لفظ امر حکم کے معنی میں بھی آتا ہے۔ مثلاً فرعون کا امر کچھ راہ کی بات تو تھا نہیں (سورہ ہود ۹۹)۔ اور "جب ہمارا حکم (امر) پہنچا" (سورہ ہود ۶۱)۔ اگر یہ درست ہو تو اس جواب سے "تو کہہ دے کہ روح میرے خدا کا حکم ہے" یہ ظاہر ہو گا کہ اُن لوگوں کا سوال روح کی ازلی یا مخلوق ذات کے بارے میں تھا۔ اور جواب یہ کہ تھا کہ روح مخلوق ہے اور خدا کا حکم اور قوت خالقہ سے خلق ہوئی۔ پھر اس آیت کا پچھلا حصہ کہ " تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے" اس بات کا ثبوت ہے کہ روح مخلوق ہے کیونکہ ارواح اپنی ہستی کے پہلے طبقوں میں علم سے معرا ہوتی ہیں لیکن بتدریج اُن کو علم حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اور طبقہ بہ طبقہ وہ ناقص حالت سے کامل حالت کی طرف ترقی کرتی جاتی ہیں۔ یہ تبدیلی مخلوق ہونے کا نشان ہے اور یوں اس آیت نے ظاہر کر دیا کہ اُن کا سوال روح کی خلقت کے متعلق تھا اور خدا نے جواب دیا کہ وہ مخلوق ہے اور خدا کی قوت خالقہ کے ذریعہ ہست ہو گئی۔ جواب کے الفاظ کے حقیقی معنی یہی ہیں۔ اور روح کی ذات کے مخلوق ہونے کا مزید ثبوت روح کے بتدریج نشوونما میں پایا جاتا ہے۔ اور اس آیت کے دوسرے حصے کے یہی معنی ہیں۔ اور صرف خدا ہی کو حقیقت کا علم ہے۔

آیت زیر بحث کے لئے رازی نے دوسرے مفسروں سے بھی اقتباس کیا جن کے ذکر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

(۳۔)رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الۡعَرۡشِ ۚ یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ لِیُنۡذِرَ یَوۡمَ التَّلَاقِ

"اور عرش کا مالک اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے اختیار (امر) سے روح بھیجتا ہے"۔

(سورہ المومن ۱۵)۔

بیضاوی نے اس پر یہ لکھا

"روحانی وجودوں پر اپنا اثر ظاہر کرنے کے لئے خدا کے حکم سے اجازت ملتی ہے اور توحید کے مسئلے کا اقرار کرنے کے بعد یہ الہام اور نبوت کے لئے تیاری ہے۔ روح الہام ہے اور "اپنے اختیار" اُس کی تشریح ہے کیونکہ یا تو یہ راستبازی کے لئے حکم ہے یا اُس حکم کا چشمہ ہے جو اعلان کرنے والے فرشتے کے ذریعے دیا جاتا ہے"۔

جلالین میں یہ شرح ہے

"روح الہام ہے"۔

کشاف میں یہ ہے

"خدا کے حکم کے وسیلے روح زندگی کا چشمہ ہے۔ اس الہام سے اُس کی مراد یہ ہے کہ وہ راستبازی کے لئے حکم اور تحریک ہے۔ روح کا ذکر اس آیت میں تشبیہی طور پر آیا ہے۔ جیسا کہ (سورہ انعام ۱۲۲) میں "کیا مردے جن کو ہم نے جلایا وغیرہ؟ (یعنی اپنی روح کے وسیلے سے)"

طبری کا تفسیر کا خلاصہ اُس کے اس جملے میں پایا جاتا ہے۔ اس آیت میں روح سے مراد خدا کا الہام ہے جو اُس کے حکم سے صادر ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ قتادہ نے یہ کہا کہ روح سے اس آیت میں مراد مکاشفہ ہے۔ ضحاک کہتا ہے کہ یہ "الکتاب" ہے ابن وہاب سے ابن زید نے یہ روایت کی کہ

"روح قرآن ہے جسے خدا نے جبرائیل پر منکشف کیا اور جبرائیل اُسے حضرت محمد کے پاس لے کر آئے۔ کیونکہ یہ لکھا ہے "یوں ہم نے تجھے اپنے حکم سے روح کے ذریعہ وحی بھیجی" جو کتابیں خدا نے اپنے نبیوں پر نازل کیں وہ روح ہیں جو اُن کو آگاہی کے لئے بھیجی گئیں"۔

روایت ہے کہ السدی نے یہ کہا کہ مذکورہ بالا آیت میں روح سے "نبوت" مراد ہے۔

نیشاپوری نے یہ لکھا اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے روحوں کو کام میں لاتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے اُسے بھیجتا ہے [1]۔

۴۔ وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا

"ہم نے اپنے حکم سے روح کا مکاشفہ دے کر تیرے پاس بھیجا"

(سورہ شوریٰ آیت ۵۲)

[1] بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۲۳۔ معہ جلالین۔ کشاف جلد دوم صفحہ ۳۱۲۔ نیشاپوری طبری جلد ۴۰ صفحہ ۳۴ کے حاشیہ میں۔ طبری ۲۴۔ ۳۰۔

بیضاوی نے یہ شرح تحریر کی ہے کہ ''خدانے الہام کو روح اس لئے کہا کیونکہ اس کے ذریعہ دلوں کو زندگی ملتی ہے''۔ بعضوں کا خیال ہے کہ اس مقام میں روح سے ''جبرائیل'' مراد ہے۔ اُس صورت میں اس آیت کے یہ معنی ہوں گے ''ہم نے اس کو تیری طرف الہام دے کر بھیجا ہے'' بہر حال روح سے خواہ الہام مراد ہو یا کتاب یا ایمان خدانے اُسے نور ٹھہرایا جس کے وسیلے سے وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

جلالین میں یہ لکھا ہے

''روح سے یہاں قرآن مراد ہے جس کے وسیلے دلوں کو زندگی حاصل ہوتی ہے''۔

کشاف میں یہ مرقوم ہے

''روح سے یہاں وہ مراد ہے جو منکشف ہوا! کیونکہ دین میں انسان کو زندگی اسی سے ملتی ہے جیسے بدن کو روح کے وسیلے سے''۔

طبری میں یہ مندرج ہے

''اس آیت کے یہ معنی ہیں، اے محمد ہم نے قرآن کے ساتھ وحی دی جیسے ہم نے اپنے ساری نبیوں کو روح کے وسیلے۔ یعنی اپنے حکم سے الہام اور رحمت کے ذریعے''۔

اس آیت میں روح کے معنی کی نسبت مفسروں کا اختلاف رائے ہے۔ قتادہ نے حسن سے یہ روایت اقتباس کی کہ اس سے رحمت مراد ہے۔ حالانکہ السدی کا قول ہے کہ اس سے الہام مراد ہے[2]۔

۵۔ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ

''یہی ہیں جن کے دلوں کے اندر خدانے ایمان کا نقش کردیا ہے اور اپنے روح سے اُن کی مدد کی ہے''

(سورہ المجادلہ۲۲)

بیضاوی نے یہ شرح کی

''اس آیت میں روح سے دلوں کا نور''قرآن یا دشمنوں پر فتح مراد ہے۔ اسم ضمیر ''اپنے'' سے ایمان کی طرف اشارہ ہے جو دل کی زندگی کا باعث ہے''(یعنی ایمان کی روح کے ساتھ)۔

جلالین میں یہ لکھا ہے

''اس آیت میں روح سے نور منجانب اللہ مراد ہے''

کشاف میں مندرج ہے

''روح سے یہاں مراد فضل ہے جس کے وسیلے سے دلوں کو زندگی ملتی ہے۔ لفظ ''اپنے'' سے ایمان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ دل کی زندگی ہے''۔

---

[2] بیضاوی جلد دوم صفحہ ۲۳۴ معہ جلالین۔ کشاف جلد دوم۔ صفحہ ۳۴۴۔ طبری جلد ۲۵ صفحہ ۲۵

طبری کہتاہے کہ

"اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اُن کو اپنی طرف سے صریح نشان کے وسیلے تقویت دی۔ نور اور ہدایت دونوں سے"[3]۔

فصل سوم پر چند خیالات

اس حصے کی جن آیات میں روح کے خالی معنی ہی دئے گئے ہیں اُن سے فوراً اس علم الٰہیات کا سراغ ملتاہے جو ازہر علما کے نزدیک ایسی قدر وقیمت رکھتا تھا۔ روح سے محض ایک تاثیر مراد لی گئی جو ٹھیک طور سے خدا کے ہم معنی نہیں۔

اب مسیحیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ الروح محض خدا کی تاثیر نہیں بلکہ خود خدا ہے۔ اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ انسان کے ساتھ الروح کا تعلق ایسا شر یہ ہے جسے کسی مسلمان مفسر نے نہیں سمجھا۔ لیکن مسیحی تعلیم کے ذریعہ ہم اس تعلق کو سمجھ سکتے ہیں۔ جہاں تک کہ انسانی عقل خلقت کے ساتھ خدا کے رشتے کو سمجھنے کے قابل ہے۔ گویہ تعجب کی بات ہے کہ اگرچہ قرآن نے الروح سے جو اعلیٰ رتبہ منسوب کیا کہ اس کو ساری مخلوقات سے اشرف اور اعلیٰ ٹھہرایا۔ محمدی مفسرین اس سے الٰہی رتبہ منسوب کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اور وہ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ گو روح القدس فرشتوں اور انسانوں سے اعلیٰ واشرف ہے تو بھی خدا نہیں۔ پس اس سے معلوم ہوتاہے کہ اسلام کی ہستی بہت کچھ اسی پر حصر رکھتی ہے کہ وہ بعض مسیحی تعلیموں کا انکار کرے۔ اور اس کے مفسر موہوم وغیر موہوم تشریح پر اڑے رہتے ہیں کہ روح نہ تو خدا ہے نہ فرشتہ اور نہ انسان بلکہ محض ایک روحانی وجود ہے۔ دیگر الفاظ میں ہم اسے یہ ماننے پر مجبور ہوتے ہیں کہ قدیم اتھینیوں (اتھینے کے رہنے والے) کے خدا کی طرح یہ ایک "نامعلوم خدا" ہے۔ رازی کا یہ بیان کہ (سورہ بنی اسرائیل ۸۵ آیت) میں روح سے مراد وہ شے ہے جو آدمی میں ہے غلط ہے۔ قریش نے حضرت محمد سے عام طور پر الروح کے بارے میں سوال کیا۔ علاوہ ازیں رازی کا یہ الزام کہ یہودیوں نے سازش کرکے اہل قریش کو تحریک کی کہ وہ حضرت محمد سے اُن کو پریشان کرنے کے لئے الروح۔ اصحاب کہف اور اسکندر اعظم کے متعلق سوال پوچھیں بے بنیاد ہے۔ ہم دوسروں کی طرح یہ کہتے ہیں کہ وفات تک حضرت محمد کو یہ علم نہ تھا کہ روح فی الحقیقت کیا تھی۔

دیگر مثالوں کی طرح اس مثال میں یہ نظر آتاہے کہ توحید کے مسئلے میں مبالغہ کرنے سے اسلام کی توحید کی تائید ہونے کی بجائے ایک خدائے ثانی کے وجود کو ماننا پڑتاہے جو ساری صفات الٰہی سے متصف (تعریف کیا گیا، جس کے ساتھ کوئی صفت لگی ہو) ہو اور انسان اور اس کے خالق کے درمیان درمیانی ہو۔ دیگر الفاظ میں وحدت محض کا خدا اسلام کا اللہ نہیں ہو سکتا۔ ایک ایسا وجود مان لیا گیا جو خدائے ثانی کے درجے تک پہنچتاہے اور یہ تو شرک سے کچھ کم نہیں۔ مسلم اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ وہ قرآن کی بعض آیات کا انکار نہ کرے مثلاً (سورہ مجادلہ آیت ۲۲) اپنے روح سے اُن کی تائید کی "الٰہی ثالوث کی تعلیم وحدت محض کے لحاظ سے اسلام کی توحید سے بہتر ہے کیونکہ اس کے وسیلے انسان اور خدا کے مابین ایک درمیانی مل جاتاہے۔ اور چونکہ یہ درمیانی ازلی ہے توضرور یہ خود خدا ہوگا جس کی ذات اور حقیقت میں یہ درمیانی شریک ہے۔ پس ثالوث کا مسئلہ یہ سکھاتاہے کہ خدا واحد ہے باپ بیٹے اور روح القدس ہیں۔ اہل اسلام اس سے تین الگ الگ خدا نہ سمجھیں۔ وہ ایک خدا ہیں ذات میں اور وجود میں"۔

---

3 بیضاوی جلد دوم۔ صفحہ ۳۱۰۔ معہ جلالین کشاف جلد دوم صفحہ ۴۴۴۔ طبری جلد ۲۷ صفحہ ۱۸۔

اکثر اہل اسلام مشرق جنہوں نے زندگی بھر قرآن کا مطالعہ کیا یہ کہتے ہیں کہ لفظ امر (بمعنی حکم) آرامی لفظ ''ممرا'' کی صدا ہے جس سے ''خدا کا ابدی ازلی کلمہ'' مراد ہے۔ ہم کو تحقیق معلوم ہے کہ اسلام کے بانی نے یہودیوں سے بعض دینی اصطلاحیں لیں لیکن اُن کا ٹھیک مطلب اُنہوں نے نہیں سمجھا۔ مثلاً اُنہوں نے لفظ ''حقدش'' بمعنی قدوس لیا جسے اُنہوں نے ورقہ کی زبان سے سنا ہو گا۔ اسی طرح لفظ ''سکینہ'' (سورہ بقرہ ۲۴۹) ''طالوت کے بادشاہ ہونے کی یہ نشانی ہے کہ وہ صندوق جس میں تمہارے پروردگار کی تسلی ہے (سکنتہ)۔۔۔اور بچی کھچی چیزیں ہیں 4۔

ایک مفسر نے سکینہ کے معنی "دل کی تسلی کئے" دیکھو (کاشف القرآن)۔ یوں حضرت محمد نے یہودی شکنہ کے معنی کچھ اور ہی کے لئے۔ کیونکہ اس لفظ کے معنی تو الٰہی نور ہیں لیکن عربی لفظ سکینہ کے معنی خاموشی کے ہیں۔

الغرض اہل مشرق نے جو نتائج نکالے اُن کا مطالعہ کرنے سے اور جو الفاظ حضرت محمد نے ارامی زبان سے لئے اُن کا مقابلہ کرنے سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ بنی اسلام نے نادانستہ ثالوث کے مسئلہ کو مان لیا کیونکہ اُنہوں نے یہ فرمایا کہ ''یہ رب کا امر'' ہے جس کے معنی ارامی زبان میں خدا کا ازلی کلام ہے۔ پس یہ تین نام موجود ہیں۔ خدا کلمہ، اور الروح اور یہی وہ مسئلہ ثالوث ہے جس کی وجہ سے وہ مسیحیوں کو طعن کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ واضح رہے کہ جس قدر اس آیت میں حضرت محمد نے تسلیم کر لیا اُس سے زیادہ ثالوث میں اور کچھ نہیں یعنی یہ کہ روح خدا کے امر سے ہے یا ازلی کلمہ اور کہ اس کلمہ نے شاگردوں کے پاس روح کے بھیج دینے کا وعدہ کیا کیونکہ انجیل میں لکھا ہے "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے پاس رہے۔ یعنی سچائی کا روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اُسے دیکھتی اور نہ جانتی ہے۔ تم اُسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہو گا'' (یوحنا ۱۴: ۱۵سے ۱۷)۔

"لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ اور تمہیں آئندہ کی خبر دے گا وہ میرا جلال ظاہر کرے گا۔ اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا"۔ (یوحنا ۱۶: ۱۳)۔

---

4 بعض مفسروں کی رائے ہے کہ اس سے موسیٰ کی جوتیاں اور عصا اور ہارون کی پگڑی من کا مرتبان اور ان لوحوں کے ٹکڑے جن کو موسیٰ نے توڑ ڈالا تھا۔ اور موسیٰ کے کپڑے مراد ہیں۔ یوں اُنہوں نے خدا کے مقدس خیمہ کو موسیٰ اور ہارون کا توشہ خانہ بنا دیا؟

فصل چہارم

الروح اور جناب مسیح

۱۔تِلۡکَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ۘ مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ

"اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے کھلے معجزے عطا فرمائے اور روح القدس سے اُن کی تائید کی"

(سورہ بقرہ آیت ۸۷)

بیضاوی نے یہ تفسیر کی:۔

"روح القدس سے یہاں مراد جبرائیل ہے۔ بعض مفسروں کی رائے میں یہ جناب مسیح کا روح ہے جو قدس ہے کیونکہ شیطان نے اُسے آلودہ نہیں کیا"

(کاش کہ سارے محمدی صاحبان یہ مان لیتے!) اس لئے کہ خدا نے اپنے خاص فضل سے اُسے عزت بخشی یا اس لئے کہ وہ انسانی تخم سے پیدا نہ ہوا تھا[5]۔ اس آیت میں روح سے مراد انجیل بھی ہو سکتی ہے یا خدا کا اسم اعظم جس کے وسیلے مُردے زندہ کئے جاتے تھے۔

جلالین میں یہ تفسیر ہے

"یہاں روح القدس سے جبرائیل مراد ہے۔ جہاں کہیں وہ جاتے تھے جبرائیل بھی جاتے تھے"۔

کشاف میں یہ لکھا ہے:

"اس آیت میں الروح قدس کہلایا تاکہ ظاہر ہو کہ خدا اور سیدنا عیسیٰ کے مابین خاص رشتہ تھا اور اسی رشتے کی وجہ سے وہ اعلیٰ عزت کے مستحق تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ روح اس لئے قدس کہلایا کہ جس طریقے سے سیدنا مسیح حمل میں آئے اور پیدا ہوئے وہ پاک ہے[6]۔ یہاں روح سے جبرائیل، یا انجیل یا خدا کا اسم اعظم بھی مراد ہو سکتی ہے جس کے وسیلے سے وہ مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے"۔

۲۔اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلۡقٰهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ وَرُوۡحٌ مِّنۡهُ ۖ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

"مریم کے بیٹے عیسیٰ بس اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جو اُس نے مریم کی طرف بھیجا اور روح اُس میں سے"

---

5 مخفی نہ رہے کہ حضرت محمد انسانی تخم سے تھے۔

6 یہاں عربی لفظ کا ترجمہ کرنا چنداں مناسب نہیں کیونکہ اُس سے انسانی نطفہ اور عورتوں کا ماہواری حیض بھی مراد ہے۔

(سورہ نسا آیت ۱۷۱)

بیضاوی نے یہ شرح کی:۔

''ایسی روح اُن کو ملی جو خدا سے صادر ہوئی اور معمولی طریقے سے نہ ملی تھی۔ یہ اس لئے روح کہلائی کیونکہ یہ انسانوں کے دلوں کی زندگی کا چشمہ ہے''۔

جلالین نے یہ بیان کیا

''ایسی روح حاصل کرنا مراد ہے جس کو اُس نے اپنے سے رشتہ دے کر مسیح کو عزت بخشی لیکن نہ جس طرح سے کہ عیسائی مانتے ہیں۔ یعنی یہ کہ وہ ابن خدا ہو۔ یا خدا کے علاوہ دوسرا خدا یا تیسرا خدا جو حکمرانی میں خدا کے ساتھ شریک ہو۔ کیونکہ جس میں روح ہے وہ مرکب ہے اور خدا مرکب نہیں اور نہ کسی مرکب شے سے اُس کا رشتہ ہے''۔

کشاف میں یہ تفسیر ہے یہ لکھا ہے کہ

''جناب مسیح کو خدا کی روح حاصل تھی یا اُس کی روح میں سے روح کیونکہ صاحب روح اُس وجود کے فعل سے وجود میں نہ آیا جس میں کہ روح ہو جیسے زندہ باپ سے نطفہ پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ خدا نے اُس کو اپنی قدرت مطلقہ سے خاص طور پر پیدا کیا''

(بیضاوی جلالین جلد اول صفحہ ۱۸۲۔ کشاف جلد اول صفحہ ۲۴۱)۔

۳۔ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْکُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْکَ وَعَلٰی وَالِدَتِکَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّکَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

"جب کہ ہم نے روح القدس سے تمہاری مدد کی''۔ الخ

(سورہ مائدہ ۱۰۹)

بیضاوی کے مطابق اس جملے میں

''روح القدس سے'' کے یہ معنی ہیں جبرائیل سے یا اُن کی باتوں سے جن سے کہ ایمان زندہ ہوتا اور روح ہمیشہ کے لئے گناہ سے پاک ہو کر رہتی ہے''۔

جلالین کے مطابق

''روح سے مراد یہاں جبرائیل ہے''۔

کشاف کے مطابق

"اس آیت میں روح سے مراد وہ باتیں ہیں جن کے ذریعے سے ایمان زندہ ہوتا ہے۔ یہ قدس اس لئے کہلائی کیونکہ ہر طرح کے گناہ کے داغ سے پاک صاف ہو جانے کا یہ وسیلہ ہے"[7]۔

۴۔ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا

"ہم نے اپنی روح کو اُن کی طرف بھیجا تو وہ آدمی کی شکل بن کر اُن کے روبرو آ کھڑا ہوا"

(سورہ مریم آیت ۱۷)

اس آیت کی جو تشریح بیضاوی نے کی ہے وہ ایسی مادیہ اور نفرت انگیز ہے کہ اس کا اقتباس کرنے کو ہمارا جی نہیں چاہتا۔ اُس نے مریم اور جبرائیل کے خوبصورت قصے کو بگاڑ کر ایک آدمی اور عورت کا قصہ بنا دیا ہے جو اُس عورت کو پھسلانا چاہتا ہے۔ جس روح یا سانس سے مریم حاملہ ہوئی وہ آدمی کی صورت میں فرشتے کا مادی سانس سے جو مریم تک پہنچایا گیا۔ ویسی ہی گندی اور مادی صورت میں اس کے ساتھ انجیل کے بیان کی آسمانی اور غیر ارضی پاکیزگی کے لہجہ کا مقابلہ کرو۔

جلالین میں یہ شرح ہے

"روح سے یہاں مراد جبرائیل مراد ہے۔ کیونکہ ایمان اُس کے اور اُس کے الہام کے وسیلے زندہ رہتا ہے۔ خدا استعارے کے طور پر اُس کو روح کہتا ہے کیونکہ خدا اُسے پیار کرتا اور اُس کو اپنے زیادہ قریب لایا چاہتا ہے جیسے کوئی اپنے محبوب کو اپنی جان یا اپنی روح کہتا ہے"[8]۔

۵۔ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

"ہم نے اُس میں اپنی روح پھونک دی"۔ الخ

(سورہ انبیاء ۹۱)

بیضاوی کی تفسیر کے مطابق

"روح جو ہمارا حکم مطلق یا ہماری روح کی بذات سے ہے وہ جبرائیل ہے"۔

جلالین میں لکھا ہے

"یہاں الروح جبرائیل ہے جس نے مریم کے لبادے میں پھونک ماری اور وہ حاملہ ہو گئی"۔

کشاف نے یہ بیان کیا گیا ہے

"یہاں ایک صریح مشعل ہے کیونکہ اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ مریم کو اُس وقت زندگی دی گئی تھی۔ اُس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے اُس کے اندر جناب مسیح میں روح پھونک دی۔ یعنی ہم نے اُس کے شکم میں جناب مسیح کو زندہ

---

7 جلالین۔ جلد اول صفحہ ۲۱۰۔ کشاف جلد اول صفحہ ۲۸۱۔

8 جلالین جلد دوم صفحہ ۲۰۔ کشاف جلد دوم صفحہ ۴

کیا" یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ " میں نے فلاں یا فلاں گھر میں بانسری میں پھونک ماری"۔اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جبرائیل کو یہ حکم ملا تھا کہ فی الحقیقت اُس میں پھونک مارے۔ کیونکہ اُس نے فی الواقعہ اُس میں پھونک ماری اور اُس کی پھونک اُس کے بدن کے اندر گئی"[9]۔

۶۔وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ

"عمران کی بیٹی مریم کی جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اُن کے پیٹ میں اپنی روح پھینک دی" (سورہ تحریم ۱۲)

بیضاوی نے اس کی تفسیر یوں کی ہے

"خدا نے اُس روح کو نیستی سے پیدا کیا۔ مریم نے اپنے رب کی باتوں کا یقین کیا۔ یعنی جناب مسیح میں اور انجیل میں"۔

جلالین کی تفسیر میں کچھ یوں بیان ہے۔

"اس آیت میں روح سے جبرائیل مراد ہے جس نے مریم کے لبادے کی تہ میں پھونک ماری اور خدا کی تجویز کے مطابق وہ حاملہ ہو گئے"۔

کشاف نے صرف صرفی نحوی تفسیر اس آیت کی کی ہے۔ جس کو یہاں لکھنے کی ضرورت نہیں۔

فصل چہارم پر چند خیالات

ان آیتوں کو پڑھ کر جن میں سیدنا مسیح کی ذات۔ پیدائش اور زندگی کے متعلق ایسے پر معنی اور پُر اسرار خیالات بیان ہوئے ہیں ہم تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ حضرت محمد اور مسلمان علما کو الروح کے حقیقی معنی کا گمان تک نہیں گزرا۔ مسئلہ ثالوث اُن کے لئے ایسا ہُوّا بن گیا کہ مسیحی تشریح کے نزدیک آتے بھی اُن کو خوف آتا تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ تو سیدنا مسیح کے القاب کے صحیح معنی سمجھ سکے اور نہ اس کی ذات کا معقول اور مناسب بیان کر سکے۔

اسی وجہ سے وہ کوئی ایسی تسلی بخش رائے نہ نکال سکے جس کے ذریعے الروح کے متعلق امور کی تشریح کر سکتے۔اس مشکل سے کنارے رہنے کی غرض سے انہوں نے روح کے تشبیہی معنی لئے۔اور طرح طرح کے مختلف قیاس پیش کئے۔ مثلاً کسی نے الروح کو جبرائیل کہا۔ کسی نے اعلیٰ فرشتہ، صدر فرشتہ، سانس، الہام، نور، ایمان، قرآن، نبوت، انجیل، جناب مسیح، انسانی وجود، خالص انسانی ارواح، ایک تاثیر، فتح، فرشتوں سے کوئی اشرف وجود، خدا کا اسم اعظم سمجھا!۔

---

[9] جلالین جلد دوم صفحہ ۵۴۔ کشاف جلد دوم صفحہ ۵۲

اس فصل میں قرآن کی تعلیم کی تفسیر نہایت مشہور مفسروں نے جو کی اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔الروح بلاو ساطت خدا سے صادر ہوتی ہے اور سوائے خدا کے اور کسی کو اس کا ادراک حاصل نہیں۔

۲۔الروح ایک لاثانی وسیلہ تھا جس سے کنواری مریم حاملہ ہوئی۔

۳۔الروح نے انجیل میں خدا کے کلام کا الہام دیا۔

4۔الروح جناب مسیح کا مددگار یعنی فارقلیط تھا۔

ان آیات کا مجموعی زوراٹل ہے اور ہم کو دو نتیجے نکالنے پر مجبور کرتی ہیں۔ یا تو ہم یہ مانیں کہ ایک لاثانی اور الٰہی رشتہ خدا اور مسیح کے مابین قائم تھا اور وہ رشتہ باقی سارے رشتوں سے کہیں اعلیٰ تھا۔ اور اس رشتے میں روح کا درمیانی رشتہ تھا۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ خدا اور ساری خلقت کے مابین ایک اور اعلیٰ مخلوق تھا جو ساری خلقت سے اعلیٰ لیکن خدا سے کم تر تھا۔ اس کے مطابق ہم کو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ وجود ہمیشہ مسیح کے ساتھ موجود رہتا تھا۔ اُس میں الٰہی صفات تھیں اور وہ جناب مسیح کو تقویت و تسلی دیتا تھا۔ لیکن ان دو قیاسوں میں سے ایک کو بھی مسلمان نہیں مانتے۔ پہلا خیال تو مسیحی خیال ہے اور دوسرا خیال بدعتی ہے لیکن دونوں خیال اسلام کے مغائر (ناموافق، برخلاف) ہیں۔

اس مسئلہ کا محض منفی پہلو ہی پیش کرنا درست نہ ہوگا۔ اس لئے اس کا مثبت پہلو اگلی فصل میں پیش کیا جاتا ہے۔

فصل پنجم

الروح کے بارے میں بائبل کی تعلیم

شاید اہل اسلام یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے لیں کہ چونکہ الروح کا مسئلہ توریت میں مبہم تھا اس لئے اسلام میں بھی یہ مبہم ہی رکھا گیا۔ اگر مسیحیوں کو جناب مسیح کا مکاشفہ نہ ملتا تو ہم بھی ویسے ہی حیران وپریشان رہتے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہ حال نہیں۔ انجیل نے الروح کی ذات اور عہدے کے متعلق ہم کو شک میں نہیں چھوڑا۔

الروح کے متعلق ساری مسیحی تعلیم کا بیان اس چھوٹے رسالے میں نہیں ہو سکتا۔ بہت دوسری کتابوں میں وہ مفصل بیان ہو چکا ہے۔ ہم صرف اتنا بیان کریں گے جس سے کہ اہل اسلام قرآن کی مذکورہ بالا آیات اور مسیحی عقیدے کو کسی قدر سمجھ سکیں۔ جو لوگ غور سے بائبل کا مطالعہ کرتے ہیں وہ یہ معلوم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ لفظ روح کتنی دفعہ بائبل میں آیا ہے اور وہ یہ بھی معلوم کرے گا کہ گو ہمیشہ وہ ایک ہی معنی میں مستعمل نہیں ہوا لیکن اکثر اُس سے خدا کا روح مراد ہے اور کئی جگہ فرشتے اور بعض اوقات تشبیہی طور پر۔ لیکن سیاق عبارت سے بخوبی واضح ہے کہ وہاں اس کے کیا معنی ہیں۔ لیکن قرآن میں قرینے سے بھی کچھ پتا نہیں لگتا۔ جیسا کہ مذکور ہے۔

اس لئے بائبل میں جب یہ لفظ صیغہ واحد میں حرف تعریف کے ساتھ مستعمل ہوا وہاں اُس کے معنی کبھی جبرائیل یا کوئی فرشتہ نہیں[10]۔

لغت کے لحاظ سے عبرانی، عربی، یونانی اور لاطینی میں جو لفظ روح کے لئے آئے ہیں اُن کا تعلق سانس یا ہوا سے ہے۔ لیکن الٰہی سانس کو ہم مادی نہ سمجھیں۔ انسانی خیال اور زبان کی تنگی کے باعث یہ لفظ جس کے معنی غیر مرئی (وہ جو دیکھائی نہ دے) لیکن زبردست قوت تھی اس غیر مرئی مجبور کرنے والی دلوں کا حال جاننے والی اور زندہ کرنے والی روح کے لئے مستعمل ہوا۔ یہ تو شک نہیں کہ بعض اوقات بائبل کی بعض آیات میں ایسے الفاظ استعمال ہوئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ روحانی زندگی اور حیوانی زندگی خدا کے روح کے پھونکے جانے سے پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدا کا روح ساری زندگی کا سرچشمہ ہے خواہ وہ روحانی ہو یا عقلی اور طبعی۔ اور اس لئے کہ انسان نفس اور روح دونوں ہے؟

اہل اسلام سے ہماری یہ درخواست ہے کہ روح القدس کہ تین صفات پر وہ ذرا غور کریں۔ یہ الروح ازلی ہے شخص ہے اور وہ خدا کے ساتھ ایک ہے۔

۱۔ پیدائش کی کتاب پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ الروح ازلی ہے۔ (پیدائش ۱: ۱، ۲) میں لکھا ہے ”ابتدا میں خدا نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا۔۔۔ اور خدا کی روح پانیوں پر جنبش کرتی تھی“۔ پھر عبرانیوں کے خط میں الروح غیر مخلوق بیان ہوا ہے۔ ”تو مسیح کا خون جس نے اپنے آپ کو ازلی روح کے وسیلے خدا کے سامنے بے عیب قربان کر دیا۔ تمہارے دلوں کو مردہ کاموں سے کیوں نہ پاک کرے گا تا کہ وہ زندہ خدا کی عبادت کریں“ (عبرانیوں ۹: ۱۴)؟ اہل اسلام و مسیحیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ خدا ازلی ہے۔ پس ازلی روح خود خدا ہے۔

10۔ زبور ۱۰۴: ۴ میں روح فرشتے کے معنی میں آیا ہے لیکن وہاں صیغہ جمع ہے اور حرف تعریف نہیں۔

۲۔ بائبل کی کئی آیات سے الروح کی شخصیت ثابت ہے مثلاً(یسعیاہ ۶۳: ۱۰)''اُنہوں نے اُس کے روح قدس کو غمگیں کیا۔اس لئے وہ اُن کا دشمن ہو گیا''۔

(افسیوں ۴: ۳۰)''خدا کے پاک روح کو رنجیدہ نہ کرو جس سے تم پر مخلصی کے دن کے لئے مہر ہوئی''۔

(یوحنا ۱۴: ۲۶)''مددگار یعنی روح القدس۔۔۔۔وہ تمہیں سب باتیں سکھائے گا''۔

(لوقا ۳: ۲۲)''روح القدس جسمانی صورت میں کبوتر کی مانند اُس پر اترا''۔

(اعمال ۲۰: ۴)''وہ سب روح القدس سے بھر گئے''۔

(اعمال ۱۳: ۲)''روح القدس نے کہا کہ میرے لئے برنباس اور شاؤل کو اُس کام کے واسطے مخصوص کرو''۔

اس تشخص (امتیاز، ممتاز ہونا) کے بغیر نہ کوئی رنجیدہ ہو سکتا ہے۔ نہ تسلی دے سکتا ہے نہ سکھا سکتا۔ نہ اتر سکتا اور نہ آدمی کے دل کو بھر سکتا اور نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے لئے فلاں فلاں اشخاص کو الگ کرو تا کہ جو کام میں نے اُن کے لئے مقرر کیا اُس کو وہ سرانجام دیں۔ فی الحقیقت کتاب مقدس ایسی آیات سے بھری ہے جن سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ روح شخص ہے۔ بخوف طوالت (لمبائی، زیادتی) زیادہ آیات پیش نہیں کی جاتیں۔

۲۔ الروح کا اور خدا کا ایک ہونا۔ مثلاً یہ کہ وہ ہمہ جا حاضر وناظر ہے۔(زبور ۱۳۹: ۷سے ۱۰)''تیری روح سے میں کدھر جاؤں۔اور تیری حضوری سے میں کدھر بھاگوں اگر میں آسمان کے اوپر چڑھ جاؤں تو تو وہاں ہے اگر میں پاتال میں اپنا بستر بچھاؤں تو دیکھ تو وہاں بھی ہے۔اگر صبح کے پنکھ لے کے میں سمندر کی انتہا میں جا رہوں تو وہاں بھی تیرا ہاتھ مجھے لے چلے گا''۔ دوسرے لفظوں میں یہ الروح ازلی ہما جا حاضر وناظر شخصیت ہے۔اور یہ قطعی ثبوت ہے کہ یہ شخصیت الٰہی ہے اور خود خدا ہے۔

لیکن یہاں پر ہی خاتمہ نہیں بلکہ ایسی آیات بھی ہیں جن سے الروح کی ہمہ دانی (ہر کام کی واقفیت) ثابت ہوتی ہے۔ مقدس پولوس نے (۱۔کرنتھیوں ۲: ۷سے ۱۳) میں یہ لکھا''بلکہ ہم پروردگار کی پوشیدہ حکمت راز کے طور پر بیان کرتے ہیں جو پروردگار نے جہان کے شروع سے پیشتر ہماری عظمت کے واسطے مقرر کی تھی۔ جسے اس جہان کے سرداروں میں سے کسی نے نہ سمجھا کیونکہ اگر سمجھتے تو عظمت کے مولا کو مصلوب نہ کرتے۔ بلکہ جیسا لکھا ہے ویسا ہی ہوا کہ جو چیزیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں نہ آدمی کے دل میں آئیں۔ وہ سب پروردگارِ عالم نے اپنے محبت رکھنے والوں کے لئے تیار کر دیں۔

لیکن ہم پر پروردگار نے ان کو روحِ پاک کے وسیلہ سے ظاہر کیا کیونکہ روحِ پاک سب باتیں بلکہ پروردگار کی تہ کی باتیں بھی دریافت کر لیتا ہے۔ کیونکہ انسانوں میں سے کون کسی انسان کی باتیں جانتا ہے سوا انسان کی اپنی روح کے جو اس میں ہے ؟اسی طرح پروردگار کے روح کے سوا کوئی پروردگار کی باتیں نہیں جانتا۔ مگر ہم نے نہ دنیا کی روح پایا بلکہ وہ روح پایا جو پروردگارِ عالم کی طرف سے ہے تاکہ ان باتوں کو جانیں جو پروردگار نے ہمیں عنائت کی ہیں۔اور ہم ان باتوں کو ان الفاظ میں نہیں بیان کرتے جو انسانی حکمت نے ہم کو سکھائے ہوں بلکہ ان الفاظ میں جو روحِ الٰہی نے سکھائے ہیں اور روحانی باتوں کا روحانی باتوں سے مقابلہ کرتے ہیں''۔

اب اس عبارت میں یہ صاف بیان ہے کہ الروح خدا ہے اور اُن میں تشبیہاً انسان کی روح کا ذکر ہے کہ وہ اور انسان ایک ہے اسی طرح خدا کا روح اور خدا ایک ہی ہیں۔اس عجیب عبارت کا لب لباب یہی ہے۔

اب باپ بیٹے اورالروح کاایک ہی خداہونا۔ مسیح کے ان الفاظ سے بھی ثابت ہے ’’تم جاکر سب قوموں کو شاگرد بناؤ اوراُنہیں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو‘‘ یہاں یہ قابل غور ہے کہ لفظ واحد "نام" آیاہے نہ "ناموں" جس سے ان تینوں شخصوں کی یگانگت ثابت ہے [11]۔

ہمارے مقصد کے لئے یہ چند آیات کفایت کریں گی تاکہ ظاہر ہوجائے کہ بائبل میں جو صفات روح کی بیان ہوئی ہیں وہی خدا کی بیان ہوئی ہیں۔خداکی ایک مزید مشہور صفت کا بھی نئے عہد نامے میں ذکر ہوااوراُس کا تعلق خاص طور سے الروح کے ساتھ ہےاوراس عہد میں وہ بالخصوص اس کا اپناہے۔کتاب مقدس میں بار بار مذکور ہے کہ خدانے فرشتوں کو بعض اوقات خاص خاص پیغام دے کر بھیجااوراپنی تجویز کوانسان پر منکشف کیا۔ مگر یہ فرشتےاُن تجاویز میں کچھ دخل نہیں دیتے کیونکہ اُن کی رسالت حکم دینا نہیں بلکہ اطاعت کرنا ہے۔خداہی حکم دیتاہے۔خداہی عدالت کرتاہے۔خداہی تعریف کرتااور خداہی مجرم ٹھہراتاہے۔اب انجیل میں یہ مندرج ہے ’’اور وہ آکر (روح القدس۔فارقیلط) دنیا کو گناہاور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا‘‘(یوحنا۱۶: ۸)۔گناہ کے بارے میں دنیاکواس لئے قصوروار ٹھہرائے گاکیونکہ اُنہوں نے نجات دہندہ کو نہیں مانا۔اور راستبازی کے بارے میں دنیامیں لوگوں کواپنی طرف دعوت دے کر آسمان پر تشریف لے گیااور عدالت کے بارے میں اس لئے کہ شیطان پر فتویٰ دیا گیالیکن دنیا اب تک اُس کوترک نہیں کرتی۔ لیکن الروح کادنیا کو قصوروار ٹھہراناخاص خداہی کا حق ہے۔پس یہ الروح خدا ٹھہرا۔فرشتے،انبیاء یاآدمی اس کلام کے زور کوجوسنایاگیابڑھانہیں سکتے کیونکہ وہ توصرف خداکے ایلچی یاوزارہی ہیں۔لیکن الروح کی یہ خاص تاثیر ہے۔ تھسلنیکے کے پہلے خط میں پولوس نے یہ لکھا’’ہماری خوشخبری تمہارے پاس نہ فقط لفظی طورپر پہنچی بلکہ قدرت اور روح القدس میں‘‘(۱۔تھسلنیکیوں ۱: ۵)۔اور پھر (۱۔پطرس ۱: ۲)میں یہ لکھاہے’’خداباپ کے علم سابق کے موافق روح کے پاک کرنے سے‘‘اس سے صاف واضح ہے کہ الروح کی تاثیر کلام کی اشاعت اور لوگوں کے دلوں کواس کی منادی کرنے کی تحریک دینے میں ظاہر ہوئی۔بے چون وچرایہ کام سوائے خداکے کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔پس نتیجہ یہی نکلاکہ الروح خداہے۔پھر (یوحنا۶: ۶۳)میں یوں مرقوم ہے’’زندہ کرنے والی روح ہے‘‘اور (رومیوں ۸: ۱۱)میں یہ آیاہے’’اسی کاروح تم میں بساہواہے جس نے جناب مسیح کو مردہ میں سے جلایاتووہ تمہارے فانی بدنوں کو بھی اُس روح کے وسیلے سے زندہ کرے گاجوتم میں بساہواہے‘‘پس اس سے ظاہر ہے کہ الروح ہی جلانے والااور زندگی دینے والاہے۔اس لئے وہ خود خداہے۔پھر (رومیوں ۵: ۵)میں لکھاہے’’کیونکہ روح القدس جو ہم کو بخشا گیاہےاُس کے وسیلے سے خداکی محبت ہمارے دلوں میں ڈالی گئی ہے‘‘۔ذراسوچئے کہ خداکی محبت آدمیوں کے دل میں خداکے سواکون دوسراڈال سکتاہے؟اس سے بھی ثابت ہواکہ الروح خود خداہے۔

الاآخر ہم بائبل کی ان آیات کی روشنی اُن چار حصوں پرڈال سکتے ہیں جن میں کہ ہم نے قرآن کی آیات کو تقسیم کیا تھا۔اُس وقت اور بھی واضح طور سے ظاہر کرسکیں گے کہ اگرچہ حضرت محمد نے ظاہری لفظ کو تولے لیالیکن اُس کی حقیقت کو نظرانداز کردیا۔اس لئے اہل اسلام کے نزدیک جوکچھ مبہم اور غیر معلوم ہے وہ مسیحیوں کے نزدیک نوراور جلال کاراستہ ہے۔

ہم نے اوپر ذکر کیاکہ الروح سے کوئی فرشتہ مراد نہیں اس لئے اس غلطی کو ہم ترک کرتے ہیں۔

اب ہم مختصر طور سے ان امور پر غور کریں کہ

11اس لئے کہ یہ نجات دہندہ

۱۔الروح کا تعلق خلقت سے اور خاص کر انسان سے کیا ہے۔

۲۔الروح کا تعلق الہام سے کیا ہے۔

۳۔الروح کا تعلق مسیح کے تجسم سے کیا ہے۔

۱۔قرآن میں صرف اتناذکر ہے کہ الروح انسانی زندگی کا چشمہ ہے اوراس کی تشریح بھی وہاں پورے طور سے نہیں ہوئی۔

لیکن الروح کا یہ کام خلقت میں اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اور ساری خلقت پر حاوی ہے۔

ہم نے (پیدائش ۱: ۱، ۲) میں دیکھ لیا کہ الروح نے اپنی زندگی بخش قدرت سے ابتری میں سے ایک ترتیب پیدا کردی اور خدا کے سانس سے انسان جیتی جان ہوگیا۔اسی طرح (ایوب ۳۳: ۴) میں لکھاہے ''خدا کی روح نے مجھ کو بنایاہے اور قادر مطلق کے دم نے مجھ کو زندگی بخشی ہے''الروح کی الوہیت کا یہ مزید ثبوت قاطع (کاٹنے والا) ہے کیونکہ خلقت کا کام اس سے منسوب ہے ٹھیک جس طرح سے کہ کلمہ یاکلام سے اور خود باپ سے منسوب ہوا۔اور مسئلہ ثالوث کا بھی یہ مزید ثبوت ہے اس لئے خود خداہی نے الروح کی صورت میں آدمی کو زندگی عطا کی۔ وہ روحانی زندگی جوانسان کو حیوانات سے ممیز (تمیز کرنے والا) کرتی ہے اور جس کے وسیلے سے انسان کا رشتہ خود خدا سے ہو جاتاہے۔

۲۔الروح الہام کا وسیلہ ہے۔(۲۔پطرس ۱: ۲۱)''نبوت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب خدا کی طرف سے بولتے تھے''۔

(اعمال ۱: ۱۶)''اس نوشتے کا پورا ہونا ضرور تھا جو روح القدس نے داؤد کی زبانی۔۔۔کہا تھا''۔

(اعمال ۲۸: ۲۵)''روح القدس نے یسعیاہ نبی کی معرفت تمہارے باپ دادوں سے خوب کہا''۔

(عبرانیوں ۳: ۷ سے ۱۱)''جس طرح کہ روح القدس فرماتاہے۔۔۔جہاں تمہارے باپ دادوں نے مجھے آزمایا۔۔۔اسی لئے میں اس پشت سے ناراض ہوا۔۔۔میں نے اپنے غضب میں قسم کھائی کہ یہ میرے آرام میں داخل نہ ہونے پائیں گے''۔

یہاں بھی یہی نظر آتاہے کہ یہ شخص الروح الٰہی اختیار کے ساتھ بولتااور لوگوں کو تحریک دیتاہے کہ نبوت اور آگاہی کریں۔یہی آدمیوں کے دلوں کو سننے کے لئے الہام دیتاہے تاکہ خدا کی باتوں کو قبول اور تحریر کریں۔یہاں کوئی ایسی رائے نہیں کہ مشین (کل) کی طرح کوئی پیغام کاٹنا چھانٹا گراموفون کی طرح نازل ہوابلکہ خود خدا نبیوں کے دلوں اور ضمیروں میں آتاہے اور وہ اُن کے انسانی اور مختلف مزاج وطبع کے وسیلے انسان کو ایک کتاب عطا کرتاہے جو لاثانی اور الٰہی کتاب ہے گو وہ کئی کتابوں کا مجموعہ ہے لیکن وہ مقصد اور روح میں ایک ہیں۔بلکہ اس سے بھی زیادہ۔اُس نے نہ صرف خدا کے کلام کا الہام دیابلکہ اپنی کلیسیا کے ساتھ ابدآباد رہتاہے۔وہ زندہ ترجمان اور ہادی ہے۔

(یوحنا ۱۴: ۱۶، ۱۷) میں یہ لکھاہے ''میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی سچائی کا روح''۔اب یہ دعویٰ کہ یہ روح ابد تک ایمانداروں کے ساتھ رہے گا۔محمدیوں کے اس دعویٰ کی تردید کرتاہے کہ اس مددگار سے حضرت محمد مراد ہیں۔کیونکہ ہم سبھوں کو معلوم ہے کہ حضرت محمد نے باسٹھ (۶۲) سال کی عمر میں وفات پائی اور وہ اپنے پیروؤں کے ساتھ بائیس (۲۲) سال سے زیادہ نہ رہے۔ لیکن برعکس اس کے یہ الروح ابد تک رہتاہے اور آدمیوں کے ساتھ اس کا رشتہ ایک فوق العادت اور الٰہی معجزے کے ذریعے اُس کی پچوہری سیرت میں قائم ہوگیا۔

(۱۔)شاگردوں نے آسمان سے ایک ایسی آواز سنی جیسے زور کی آندھی کا سناٹا جس سے سارا گھر جہاں وہ بیٹھے تھے گونج گیا۔

(۲۔)اور اُنہیں آگ کے شعلے کی سی پھٹتی ہوئی زبانی دکھائی دیں اور اُن میں سے ہر ایک پر آٹھہریں۔

(۳۔)وہ سب روح القدس سے بھر گئے اور غیر زبانیں بولنے لگے جن کو اُنہوں نے شائد کسی کو بولتے بھی نہ سنا ہو گا کیونکہ یہ لوگ گلیل کے دیہاتوں سے آئے تھے۔اور غیر زبانوں سے وہ واقف نہ تھے۔

(۴۔)اور پطرس نے کھڑے ہو کر ان رسولوں کی حمایت میں سامعین کے سامنے ایک عمدہ وعظ کیا اور غیر معمولی قدرت اور دلیری سے مسیح کی الوہیت کی گواہی دی اگرچہ چند ہفتے پیشتر وہ ایک لونڈی سے ڈر گیا تھا اور بُری طرح سے مسیح کا انکار کیا تھا۔

(۵۔)پطرس کا وعظ سن کر تقریباً تین ہزار (۳۰۰۰)لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے بپتسمہ پایا۔

روح القدس نے آگ کی زبانوں کا یہ معجزہ اس لئے کیا تاکہ یہ ظاہر کرے کہ مسیحی دین عالمگیر ہو گا اور بائبل ساری قوموں اور قبیلوں کے لئے اخلاقی شرع کی بنیاد ہو گی اور اس لئے ہر زبان میں اس کا ترجمہ کیا جائے گا۔اسی حکم کی اطاعت کے باعث اب بائبل اور اُس کے حصوں کو آج ہم چار سو سے زیادہ زبانوں اور بولیوں میں پڑھ سکتے ہیں اور اس کا ترجمہ ہوتا رہے گا جب تک کہ آسمان کے تلے ہر بولی میں اس کا ترجمہ نہ ہو لے۔

۳۔ تجسم کے ساتھ روح القدس کا یہ رشتہ ہے کہ سیدنا مسیح میں یہ ابد تک بستا ہے۔اور اُسی کی طرف سے اس کا انعام مسیحی کلیسیا کو ملا ہے۔

(متی ۱: ۲۰)''جو اس کے پیٹ میں ہے وہ روح القدس کی قدرت سے ہے''۔

(لوقا ۳: ۲۲)''روح القدس جسمانی صورت میں کبوتر کی مانند اُس پر (جناب مسیح) پر اُترا''۔

(اعمال ۱۰: ۳۸)''خدا نے جناب مسیح ناصری کو روح القدس اور قدرت سے کس طرح مسح کیا''۔

(لوقا ۴: ۱)''جناب مسیح روح القدس سے بھرا ہوا یردن سے لوٹا''۔

(متی ۱۲: ۲۸)''اگر میں خدا کے روح کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہوں تو خدا کی بادشاہت تمہارے پاس آپہنچی''۔

(عبرانیوں ۹: ۱۴)''جس نے اپنے آپ کو ازلی روح کے وسیلے خدا کے سامنے بے عیب قربان کر دیا''۔

(۱۔پطرس ۳: ۱۸)''جسم کے اعتبار سے تو مارا گیا لیکن روح کے اعتبار سے زندہ کیا گیا''۔

(یوحنا ۱۵: ۲۶)''جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح''۔

(یوحنا ۲۰: ۲۲)''جناب مسیح نے اُن سے کہا۔۔۔روح القدس اور''۔

(اعمال ۲: ۳۸)''توبہ کرو تم میں سے ہر ایک اپنے گناہوں کی معافی کے لئے جناب مسیح مسیح کے نام پر بپتسمہ لے تو تم روح القدس انعام میں پاؤ گے''۔

یہ چند مشہور آیات نمونے کے طور پر ہیں جن میں جناب مسیح مسیح اور روح القدس کے درمیان رشتے کا ذکر آیا ہے۔لیکن ان کا شمار بہت زیادہ ہے اور اُن میں انتخاب کرنا بھی مشکل ہے۔

اس فصل میں جو اقتباسات قرآن سے کئے گئے اگر ہم اُن کی طرف توجہ کریں تو ایسے خالی اور کمزور جوابوں کو دیکھ کر خاص کر سیدنا مسیح کی پیدائش کے احوال ہی ہیں۔ ہمیں تعجب آتا ہے اور الروح کے تقویت دینے کے متعلق تو بہت ہی تھوڑے حوالے ہیں اور وہ مبہم سے۔ لیکن نئے عہد نامے میں سیدنا مسیح اور روح القدس کے درمیانی رشتے کے متعلق بے شمار اور مکمل اور مفصل حوالے آئے ہیں۔

روح القدس سے وہ شکم مادر میں آیا۔ بپتسمہ کے وقت اُسی روح کا مسح حاصل کیا۔ اُسی روح کے وسیلے قدرت کے کام کئے۔ اُسی ازلی روح کے وسیلے صلیب پر مرا اپنے تیئں قربانی چڑھایا۔ اُسی روح کے ذریعہ وہ مردوں میں سے زندہ کیا گیا اور اپنی پیدائش سے لے کر اپنے صعود تک وہ روح القدس سے معمور تھا۔ اُسی کے وسیلے سے اور اُسی میں باپ کے ساتھ اُس کی مسلسل شراکت تھی۔ یہاں تک کہ مسیح میں روح کی قدرت کے ساتھ خدا دنیا پر منکشف ہوا۔ یہ ثالوث کا راز ہے! بیٹے کے تجسم اور روح القدس کے وسیلے جہان کے ساتھ خدا کا وہ رشتہ قائم ہوا جس کے لئے ساری خلقت آرزو سے کراہ رہی اور انتظار کر رہی تھی۔ اور اُس وقت تک اس کا کمال نہ ہوگا۔ جب تک آخری نجات یافتہ روح خدا کے خاندان میں شامل نہ ہو جائے۔ لیکن اس سے ایک اور حیرت انگیز امر بھی ظاہر ہوتا ہے۔ سیدنا مسیح نے باپ کے موعود روح القدس کو نازل کیا جو لوگ اُس پر ایمان لاتے ہیں اُن کو منور زندہ اور پاک کرے۔

یہی روح پنتیکوست کے پہلے دن سے لے کر دنیا میں مسیح کے کام کو سرانجام دے رہا ہے۔ اور اُن لوگوں کے لئے یہ خاص وعدہ اور میراث ہے جو انجیل کو قبول کر کے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ مسیح کے پیروؤں کے دلوں کو اُن سبھوں کی محبت اور ہمدردی سے یہی روح بھر دیتا ہے جن کی خاطر مسیح نے جان دی اور یہی روح اُن کو تحریک دیتا ہے کہ دنیا کی فصل جمع کرنے میں وہ محنت کریں۔

اے مسلمان بھائیو! کیا آپ اُس کے پاس نہ آئیں گے؟ اور اُس کے چیدہ پیرو نہ بنیں گے؟ جس کا کچھ موہوم ساذکر آپ کی کتاب میں آیا ہے۔ ہم نے پورے اور مفصل طور سے اُس کا بیان کر دیا ہے۔ کوئی فرشتہ خواہ کیسا ہی مقتدر کیوں نہ ہو، نہ کوئی سرّیہ اور ناقابل تلفظ نام، نہ کوئی موہوم تاثیر نہ مادی سانس اس سے مراد ہے۔ بلکہ زندگی کا بخشنے والا اور خداوند۔ وہی اب آپ کے دلوں میں داخل ہونا چاہتا ہے تاکہ اُن کو منور اور تازہ کرے۔ وہی تم پر ظاہر کرے گا کہ جناب مسیح تمہارے دل اور روح کی گہری ضرورت کو پورا کر سکتا ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر ایک دینوی چیز سے بڑھ کر تم اُس کی آرزو رکھو۔ وہ تمہیں نہ چھوڑے گا جب تک کہ تم کو مسیح میں کامل کر کے ازلی باپ کے سامنے پیش نہ کرے۔ اور خدا کی حضوری کے بے نقاب نور میں ہستی کے راز کو ادراک (دریافت) کر سکوگے۔

"اور روح اور دلہن کہتی ہیں کہ آ۔ اور جو پیاسا ہو وہ آئے اور جو کوئی چاہے آبِ حیات مفت لے"۔

آئے ناظرین آپ نے سن لیا ہے پس اس الروح سے کہیں کہ آ۔ اور وہ یقیناً آئے گا اور ابد تک بچائے گا اور جناب مسیح مسیح کے وسیلے آپ کو خدا کے پاس پہنچائے گا۔

ختم شدہ